شاطر بچہ

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۴۸

حاتم کا بچہ

اشتیاق احمد

★

نام ناول ــــــ حاتم کا بچہ
بار اوّل ــــــ یکم اگست ۱۹۸۶ء
طابع ــــــ اشتیاق احمد
مطبع ــــــ زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
سرورق ــــــ محمد جاوید چغتائی
طباعت سرورق ــــــ پیرامر پرنٹرز لاہور
کتابت ــــــ محمد سعید نامدار
قیمت ــــــ چھ روپے
سالانہ قیمت ــــــ تین سو روپے

★

اِشتیاق پبلیکیشنز
۹/۱۲ نیر آباد ۰ سائدہ کلاں ۰ لاہور

حدیث شریف

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے اندر اللہ کی کتاب (قرآن) چھوڑتا ہوں۔ وہ اللہ کی رسی ہے، جس نے اسے پکڑ لیا اور اس کا اتباع کیا، اس نے ہدایت پائی اور جس نے چھوڑ دیا، گمراہ ہو گیا۔

(کنز، ص ۴۴ جلد ۱)

ممالکِ غیر سے سالانہ قیمت

انگلینڈ	۵۸۴/- روپے	عمان	۴۵۶/- روپے
دوبئی	۴۵۶/- 〃	سعودی عرب	۴۲۸/- 〃
کویت	۴۲۸/-	شارجہ	۴۵۶/- 〃
دوحہ قطر	۴۲۸/- 〃	ابوظہبی	۴۲۸/- 〃

دو باتیں

السلام علیکم!

میں نے کچھ لوگوں کو ہنس کی چال چلتے دیکھا اور پھر یہ بات بھی دیکھنے میں آئی کہ وہ اپنی چال بھی بھول گئے تھے۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔ اگر کوئی ہنس کی چال چلے اور اپنی بھول جائے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ انسان ہنس کی چال چلے اور اپنی نہ بھولے۔ انسان کی انسانیت تو دراصل اسی میں ہے کہ وہ اپنی ہی چال چلتا رہے۔ یعنی انسانیت کی چال۔ ورنہ جب بھی وہ کسی اور کی چال چلے گا۔ منہ کی ہی کھائے گا۔ منہ کی کھاتے بہتوں کو دیکھا ہے اور نہ جانے کتنوں کو دیکھنا ابھی باقی ہے۔ میں آپ کے لیے دعاگو ہوں اور اپنے لیے بھی۔ کہ ہم سب اپنی ہی چال چلتے رہیں۔ وہی چال جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرامؓ نے ہمیں سکھائی۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں دو باتیں میں چالوں کے پیچھے ہی پڑ گیا۔ کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے۔ اپنے ارد گرد دیکھیے۔ اپنے اندر جھانکیے۔ اور سوچیے۔ غور کیجیے۔ کہیں ہم بھی کوے کی نقل پر تو نہیں اتر آئے۔

[illegible]

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں ——
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا ——
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں ——
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا ——
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول کو الماری میں رکھ دیجیے۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیجیے، پھر ناول پڑھیے۔ شکریہ!

مخلص

اشتیاق احمد

گمنام فون

دروازے اور فون کی گھنٹیاں ایک ساتھ بج اٹھیں۔

انھوں نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"پہلے دروازہ کھولیں یا فون سنیں۔" محمود مسکرایا۔

"چوں کہ دونوں گھنٹیاں ایک ساتھ بجی ہیں، اس لیے ایک ساتھ ہی عمل ہوگا، محمود حسب سابق دروازہ کھولنے جائے گا اور فاروق فون سنے گا۔ دروازے پر تو ظاہر ہے ابا جان ہیں۔ انداز انھی کا ہے، لیکن فون کس کا ہے، کہہ نہیں سکتی۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"بات کو بلا وجہ لمبا نہ کیا کرو۔" محمود نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور دروازے کا رخ کیا۔

فاروق نے فون کا ریسیور اٹھانے سے پہلے فرزانہ کو کاٹ کھانے والے انداز میں دیکھا اور بولا۔

"محمود دروازہ کھولے گا، میں فون سنوں گا اور تم — ہاتھ پر

ہاتھ دھرے بیٹھی رہو گی۔"

"اپنے حصے کا کام پہلے ہی کر چکی ہوں، اس لیے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اپنے حصے کا کام۔ کیا مطلب؟"

"یہ فیصلہ نہیں کیا۔ کہ کون کیا کرے گا۔"

"ادھر۔ وہ بے چاری گھنٹی مسلسل بج رہی ہے۔" بیگم جمشید نے باورچی خانے کے دروازے پر نمودار ہوتے ہوئے کہا۔

اور فاروق نے جلدی سے ریسیور اٹھا لیا۔ عین اسی وقت محمود نے دروازہ کھول دیا۔ ادھر فاروق نے کہا:

"ہیلو۔ فاروق بول رہا ہوں۔ فرمائیے آپ کون ہیں؟"

"تم لوگ سو تو نہیں رہے تھے۔ لل۔ لیکن۔ یہ وقت سونے کا ہے تو نہیں۔" دوسری طرف سے خان رحمان کی آواز سنائی دی۔

"اوہ۔ یہ آپ ہیں انکل۔" فاروق چہکا۔

"پپ۔ پتا نہیں۔ میں ہوں بھی یا نہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

اسی وقت محمود واپس آتا نظر آیا، لیکن اس کے ساتھ انسپکٹر جمشید نہیں تھے۔ البتہ محمود کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پیکٹ ضرور تھا۔

"یہ۔ یہ کیا" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"کیا مطلب۔ کہاں۔ کیا۔" دوسری طرف سے خان رحمان نے چونک کر کہا۔

"اوہ سوری انکل۔ آپ سے نہیں کہا۔ میری توجہ محمود کی طرف ہو گئی تھی۔"

"بُری بات ہے۔ جب مجھ سے فون پر بات کر رہے ہو تو صرف فون کی طرف توجہ رکھا کرو۔" وہ بولے۔

"جی بہتر، ہاں آپ کیا کہہ رہے تھے انکل۔ پتا نہیں آپ ہیں بھی یا نہیں۔"

"ہاں! میں نے یہی کہا تھا۔ میں کچھ ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں۔ سنو۔ فون پر کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ بس تم لوگ فوراً یہاں آ جاؤ۔ جمشید آ چکا ہے یا نہیں؟"

"جی۔ بس آنے ہی والے ہیں۔"

"آتے رہیں گے۔ تم لوگ یہاں آ جاؤ۔ خبردار۔ یہاں آنے سے پہلے کوئی کام نہ کرنا۔ تمہارے باہر نکلتے نکلتے اگر جمشید آ جائے تو اسے بھی ساتھ لیتے آنا۔ ورنہ بھابی انہیں خود ہی بھیج دیں گی۔"

"چونکہ آپ نے پہلے ہی پابندی عاید کر دی ہے، اس لیے میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔ ہم آ رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں یہی چاہتا ہوں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی دوسری طرف فون کا ریسیور رکھ دیا گیا۔

"انکل خان رحمان نے ہمیں فوراً بلایا ہے۔ وجہ پوچھنے کی اجازت نہیں دی۔ لہٰذا آؤ چلیں۔" فاروق بولا۔

"لیکن ہم اس کا کیا کریں۔" محمود نے پیکٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"کس کا۔ یہ کیا ہے؟"

"ایک پیکٹ۔ ڈاکیا دے گیا ہے۔ رجسٹرڈ پیکٹ ہے۔ پتا نہیں اس میں کیا ہے۔"

"بعد میں دیکھ لیں گے۔ انکل چاہتے ہیں۔ ان کا فون سننے کے بعد ہم یہاں کچھ بھی کام نہ کریں۔"

"باتیں کیوں کر رہے ہو پھر۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ امی جان۔ ہم یہ پیکٹ یہاں رکھ کر جا رہے ہیں۔ اسے کھولنے کی ضرورت نہیں۔ ابا جان کو بھی فوری طور پر ادھر ہی بھیج دیجیے گا۔"

"اور اگر اس میں کوئی بم ہوا۔ اور وہ پھٹ گیا تو پھر؟" بیگم جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"پھٹ جانے کے بعد پھر کیا سوال رہ جائے گا امی جان۔" محمود مسکرایا۔

"او ہاں! یہ بات بھی ہے۔"

اور وہ گھر سے باہر نکلے۔ اسی وقت انسپکٹر جمشید کی جیپ آتی نظر آئی۔

"چلو موٹر سائیکلوں پر جانے سے بچ گئے۔" محمود نے کہا۔

"خیر تو ہے بھئی۔ کہاں چل دیے؟"

"آپ کو بھی لے کر چل رہے ہیں ابا جان۔ انکل خان رحمان کا حکم یہی ہے۔"

"خیر تو ہے۔"

"پتا نہیں۔ ان کا لہجہ عجیب سا تھا۔ کہہ رہے تھے۔ پتا نہیں میں ہوں بھی یا نہیں۔"

"میں ہوں بھی یا نہیں۔ یہ کیا بات ہوئی؟"

"بات پوچھنے کی اجازت انھوں نے نہیں دی۔"

"خیر آؤ۔ دیکھتے ہیں۔"

وہ جیپ پر سوار ہو گئے۔

"اور ادھر ابھی ابھی ایک رجسٹرڈ پیکٹ ملا ہے۔ پتا نہیں اس میں کیا ہے؟"

رجسٹرڈ پیکٹ۔ کوئی بات نہیں۔ اس میں خود بخود پھٹنے والی کوئی چیز نہیں ہو سکتی، کیوں کہ ڈاک سے آیا ہے۔ دستی کوئی دے جاتا تو بات خطرے والی ہو سکتی تھی۔

اسے آکر دیکھ لیں گے۔" انھوں نے کہا۔

"مم — میں تو —" فاروق اٹک کر رہ گیا۔

"میں تو کیا ؟"

"گیس کی بُو سونگھ رہا ہوں۔"

"یہ تم خطرے کی بُو سونگھتے سونگھتے گیس کی بُو بھی سونگھنے لگے — تمھیں کیا ہو گیا ہے — اچھے بھلے تو تھے۔" فرزانہ نے حیرت ظاہر کی۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا — اللہ کا شکر ہے۔" اس نے جھنا کر کہا۔

"اس سے پہلے کہ ہم خان رحمان کے گھر پہنچیں — میں تم سے دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی — دو باتیں۔" محمود چونکا۔

"اس میں چونکنے کی کیا بات ہے۔" انسپکٹر جمشید خود بھی چونک کر بولے۔

"ہاں واقعی — چونکنے کی تو کوئی بات نہیں۔"

"خیر سنو — مجھے آج ایک عجیب فون موصول ہوا۔"

"عجیب فون — تت — تو — میرا خیال ٹھیک ہی تھا۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"کون سا خیال ؟" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"گیس کی بُو والا؟"

"یار ذرا چُپ رہو۔" انسپکٹر جمشید جل کر بولے۔

"جی — بہتر — ذرا کیا — اب میں مکمل طور پر چُپ رہوں گا — جب تک کہ انکل کا گھر نہیں آجاتا۔"

"تو اس طرح تم مکمل طور پر چُپ کہاں ہوگے۔" فرزانہ نے اعتراض کیا۔

"دیکھا ابا جان! چُپ تو مجھے دراصل یہ دونوں نہیں رہنے دیتے۔"

"میں تو تم تینوں سے ہی تنگ ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"اوہ! معاف کر دیجیے ابا جان — لیجیے ہم بالکل سنجیدہ ہوئے جاتے ہیں۔"

"گمنام فون پر مجھ سے ایک عجیب سی درخواست کی گئی — ایک فرم خفیہ طور پر میری خدمات حاصل کرنا چاہتی ہے۔" انھوں نے کہا۔

"جی کیا مطلب — خفیہ طور پر۔"

"ہاں! فون کرنے والے نے بتایا کہ وہ چاہتے ہیں — میں ان کی فرم میں گڑبڑ کا سراغ لگا کر بس ان لوگوں کو بتا دوں — یعنی وہ معاملہ اپنے تک رکھنا چاہتے ہیں۔"

"اور معاملہ کیا ہے؟"

"یہ تو وہ بعد میں بتائیں گے۔"

"تب پھر آپ نے کیا جواب دیا؟"

"میں نے اسے بتا دیا کہ میں ایک سرکاری ملازم ہوں۔ کوئی پرائیویٹ سراغ رساں نہیں ہوں۔ معاوضے لے کر کیس حل نہیں کرتا پھرتا۔"

"اوہ۔ تو پھر۔ بیچارہ مایوس ہو گیا ہو گا۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"نہیں بھئی۔ وہ مایوس نہیں ہوا۔ بلکہ اس نے مجھے غور کرنے کی دعوت دی ہے۔ دو گھنٹے بعد وہ پھر فون کرے گا۔ اس نے کہا ہے کہ اگر میں ان کا معاملہ ہاتھ میں لے لوں۔ اور اسے حل کر دوں تو وہ مجھے پانچ لاکھ روپے دے سکتے ہیں۔"

"پانچ لاکھ روپے۔ حیرت ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! میں ان کا کیس ہاتھ میں لوں یا نہ لوں۔ یہ جاننے کی خواہش ضرور بیدار ہو گئی ہے کہ معاملہ کیا ہے۔ لہٰذا میں وقتی طور پر حامی بھر لینے کے بارے میں غور کر رہا ہوں۔" وہ بولے۔

"ہم بھی یہی مناسب خیال کرتے ہیں ابا جان۔" محمود نے کہا۔

اسی وقت وہ خان رحمان کی کوٹھی میں داخل ہوئے۔ وہ باہر ہی بے تابانہ انداز میں ٹہل رہے تھے۔ فوراً ان کی طرف لپکے اور چلّائے:

"اللہ کا شکر ہے۔ تم لوگ آ گئے تو۔ میں تو خیال کر رہا تھا کہ آج تم نہیں آؤ گے۔"

"حالاں کہ ہم آپ کا فون ملنے کے فوراً بعد چل پڑے تھے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تب شاید یہ میری بے چینی تھی۔ جس نے احساس دلایا کہ فون کیے بہت دیر ہو گئی۔"

"ہاں! ضرور یہی بات ہے۔ ان لوگوں نے تو مجھے جیپ سے اترنے بھی نہیں دیا۔"

"خیر آؤ۔ اندر چلیں۔"

عین اسی وقت کار کی آواز سنائی دی۔ مڑ کر دیکھا تو پروفیسر داؤد کی کار تھی:

"اوہو۔ پروفیسر انکل۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"انھیں بھی میں نے فون کیا تھا۔"

"اوہ اچھا۔"

وہ اندر داخل ہوئے۔

"خیر تو ہے۔ گھر میں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا؟"

"ہاں! میں نے تھوڑی دیر پہلے ہی سب لوگوں کو پڑوس میں بھیج دیا ہے۔"

"آخر کیوں۔ معاملہ کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

خان رحمان نے کوئی جواب نہ دیا۔ انھیں لیے اپنے کمرے میں داخل ہو گئے۔ دوسرے ہی لمحے محمود، فاروق اور فرزانہ زور سے اچھلے، ان کے منہ سے بے ساختہ انداز میں نکلا:

"ارے!"

★

خان رحمان، پروفیسر داؤد اور انسپکٹر جمشید نے حیرت بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھا، پھر انسپکٹر جمشید کی حیرت فوراً دور ہو گئی اور وہ مسکرانے لگے۔

"تم مسکرا رہے ہو جمشید۔ حیرت ہے۔"

"تم نے اس پیکٹ کے سلسلے میں بلایا ہے نا؟" وہ بولے۔

"ہاں! یہ ڈاک سے ملا ہے۔"

"اور آپ نے باقی سب لوگوں کو پڑوس میں کیوں بھیج

دیا ہے؟" محمود بولا۔

"اس لیے کہ اس پیکٹ میں کوئی بم بھی ہو سکتا ہے۔"

"پھر آپ خود یہاں کیوں ٹھہر گئے؟"

"تمھارا استقبال کرنے کے لیے۔" وہ بولے۔

"اور پروفیسر داؤد کو تم نے اس لیے بلایا ہے کہ پیکٹ کا معائنہ کر کے بتا سکیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"امکان تو خیر ہو سکتا ہے، لیکن بم کے پیکٹ عام طور پر ڈاک سے نہیں بھیجے جاتے۔ جس شخص کو نشانہ بنانا ہوتا ہے، اسے براہِ راست ارسال کیے جاتے ہیں۔"

"اس کے باوجود میں خوف زدہ ہوں۔" خان رحمان بولے۔

"خیر۔ پروفیسر صاحب۔ ذرا آپ اس پیکٹ کا معائنہ کریں۔"

"بہت اچھا۔ یہ کیا مشکل ہے۔" پروفیسر داؤد مسکرائے اور پیکٹ کی طرف بڑھ گئے۔

"لیکن بھئی۔ تم لوگ اس پیکٹ کو دیکھ کر حیران کیوں ہوئے تھے۔ زیادہ حیرت کی بات یہ ہے جمشید کہ حیران تم بھی ہوئے تھے، لیکن تمھاری حیرت فوراً ہی پر لگا کر اڑ گئی تھی۔"

"ہاں! تمھارا خیال ٹھیک ہے۔ میں انھیں حیرت زدہ دیکھ کر حیران ہوا تھا، لیکن پھر فوراً ہی جان گیا کہ ان کی حیرت

کی کیا وجہ ہے - اس لیے میری حیرت غائب ہو گئی۔"

"آخر تم کیا جان گئے تھے؟"

"بات دراصل یہ ہے خان رحمان - کہ ایک پیکٹ ان تینوں نے بھی وصول کیا ہے - راستے میں انھوں نے مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا - پھر جب میں نے انھیں پیکٹ دیکھتے ہی حیرت کے عالم میں دیکھا تو مجھے بھی حیرت ہوئی، لیکن فوراً ہی خیال آیا کہ ہو نہ ہو - ان کو بھی بالکل ایسا ہی پیکٹ ڈاک میں موصول ہوا ہے۔"

"اوہ ! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔" خان رحمان خوف زدہ انداز میں بولے۔

"تب - تب تو ہو سکتا ہے - اس میں کوئی بم وم ہی ہو۔" پروفیسر داؤد نے گھبرا کر کہا۔

"نہیں پروفیسر صاحب - میرا دعویٰ ہے کہ ان دونوں پیکٹوں میں بم نہیں ہیں۔"

"آخر تم اتنے یقین سے کس طرح کہ سکتے ہو جمشید - حالانکہ بم بذریعہ ڈاک بھی بھیجے جا سکتے ہیں یا پھر ایسے بم جو صرف پیکٹ کھلنے کی صورت میں پھٹیں۔"

"جی ہاں ! آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن نہ جانے کیا بات ہے ، میں خطرے کی بُو بالکل بھی محسوس نہیں کر رہا۔"

"خیر بھئی - ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔"

پروفیسر داؤد نے پہلے تو چند عجیب آلات کے ذریعے پیکٹ کا معائنہ کیا - اور پھر پیکٹ کو کھولنے لگے -

"یا اللہ خیر۔" خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

"جاؤ بھئی - بھابی ، بچوں ، ظہور اور سلمیٰ کو لے آؤ - وہ پڑوسیوں کے ہاں پریشان ہو رہے ہوں گے ، کیوں کہ تم نے انھیں افراتفری کے عالم میں گھر سے نکال باہر کیا ہوگا۔"

"ہاں ! یہ تو ہے۔"

"تو جاؤ - انھیں بلا لاؤ - پیکٹ کھلتا رہے گا۔"

"اچھا - تم کہتے ہو تو بلا لاتا ہوں۔" انھوں نے کہا اور ہانپتے کانپتے چلے گئے -

پیکٹ بہت احتیاط سے بنایا گیا تھا - اور اندر رکھی چیز کی حفاظت کا پورا انتظام کیا گیا تھا اور صاف محسوس ہوتا تھا کہ پیکنگ کے کسی ماہر نے بنایا ہے - ابھی پیکٹ مکمل کھلا نہیں تھا کہ قدموں کی آواز ابھری :

"السلام علیکم۔" بیگم خان رحمان ، بچوں اور ظہور نے ایک ساتھ کہا - اس کے ذرا دیر بعد سلمیٰ کی آواز سنائی دی - وہ چند قدم پیچھے رہ گئی تھی -

"وعلیکم السلام - خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں - خان صاحب

نے ایک احتیاطی قدم اُٹھایا تھا۔ اور اس قدم کو غیر دانش مندانہ نہیں کہا جا سکتا۔ آج کل پیکٹوں میں بم وغیرہ رکھ کر ارسال کرنا عام بات ہے۔ بڑے بڑے سیاسی لیڈروں کو اور اپنے مخالفین کو دشمن عناصر اسی ترکیب سے ختم کرتے ہیں۔ ان حالات کی روشنی میں اگر خان صاحب نے احتیاط کی تو اس احتیاط کا موقع بھی تھا۔ بہرحال پروفیسر صاحب پیکٹ کا معائنہ کر چکے ہیں اور اب وہ خود ہی اسے کھولنے میں معروف ہیں، اس لیے فکر کی کوئی بات نہیں۔" انسپکٹر جمشید روانی کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

ایک منٹ بعد پیکٹ کے اردگرد رکھے نرم گدے ہٹائے جا چکے تھے۔ ان کی نظریں اس چیز پر جم گئیں۔ جو انھیں اس پُر اسرار طریقے سے ارسال کی گئی تھی۔

سلوٹوں کی آواز

۵

"یہ۔ یہ کیا۔ یہ تو۔" فاروق کہتے کہتے رُک گیا۔

"ہاں! میں جانتا ہوں۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" انسپکٹر جمشید نے فکر مندانہ انداز میں کہا۔

"لیکن جمشید۔ کسی کو مجھے وی پی آر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"میری اُلجھن میں بہت تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ کیوں کہ ایک عدد پیکٹ ہمیں بھی تو مل چکا ہے۔ شاید اس میں بھی وی سی آر ہو گا۔ پیکٹ پر بھیجنے والے نے اپنا نام اور پتا بھی لکھا ہے، کیوں کہ اس کے بغیر پیکٹ رجسٹرڈ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ صاف ظاہر ہے۔ نام پتا فرضی ہو گا۔"

"جمشید۔ اصل سوال تو یہ ہے کہ کسی کو اتنا قیمتی تحفہ ارسال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"اس پر بھی غور کیا جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ ہم ان

کا کیا کریں گے۔ میرے، خان رحمان کے اور آپ کے گھر میں تو وی سی آر چلایا ہی نہیں جا سکتا۔ ہم پہلے ہی مل کر یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ چاہے دُنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے، ہمارے گھروں میں وی سی آر نہیں آئے گا۔"

"لیکن اب یہ آ چکا ہے۔" محمود بولا۔

"ہاں! آ چکا ہے۔ ہم نہیں لائے۔"

"اور اس کا مطلب ہے۔ بھیجنے والا بھی یہی چاہتا ہے کہ ہم لوگ وی سی آر دیکھا کریں۔ اس میں مگن رہا کریں، تا کہ دین، مُلک اور قوم کے کاموں کی طرف سے ہماری توجہ ہٹ جائے۔ یہ جو ہم دن رات اپنے دین، مُلک اور قوم کے لیے جُٹے رہتے ہیں۔ اس میں فرق آ جائے۔ کمی آ جائے۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ کیا شہر میں صرف ہمیں ہی یہ تحفے ملے ہیں یا کسی اور کو بھی۔ یہ ہم کس طرح معلوم کریں۔"

"اخبار میں خبر لگوا دیں گے۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"خبر کا مضمون بھی بتا دو۔" فاروق مسکرایا۔

"بس یہی کہ ہم دو گھرانوں کو کسی نے وی سی آر تحفے میں ارسال کیے ہیں۔ مہربانی فرما کر اپنا تحفہ واپس وصول کر لیں، کیوں کہ ہم وی سی آر نہیں دیکھتے۔" فرزانہ بولی۔

"ہوں! بات تو ٹھیک ہے۔ اگلے دن اخبار میں اشتہار دے دیں گے کہ اگر کچھ اور لوگوں کو بھی وی سی آر ملے ہوں تو اطلاع دیں، کیوں کہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ ان وی سی آر سیٹوں میں بم چھپا دیے گئے ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"ارے باپ رے۔" خان رحمان اُچھل پڑے۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ جملہ تو میں نے اخبار کے لیے بولا ہے۔"

"ویسے ابّا جان! ایک بات ہے۔ اس قدر چھوٹا سا وی سی آر ہم شاید زندگی میں پہلی بار دیکھ رہے ہیں۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بھئی۔ پیکٹ کی صورت میں تو چھوٹے سائز کا وی سی آر ہی بھیجا جا سکتا ہے۔ نہ کہ بڑا۔ یہ شاید جدید ترین ماڈل ہے۔"

"ویسے کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ اب ہم چل کر اپنے والا پیکٹ بھی دیکھ لیں۔" فرزانہ نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ آپ لوگوں کا کیا خیال ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے۔"

"تو پھر آئیے۔"

وہ گھر پہنچے۔ پیکٹ جوں کا توں میز پر رکھا تھا۔ انھوں نے پہلے بند حالت میں اس کا جائزہ لیا۔ یہاں بھی بھیجنے والے کا وہی نام لکھا تھا۔ جو خان رحمان والے پیکٹ پر تھا۔ اور یہ نام تھا راجا اشرف بھائی سونے والے ادجن نگر۔

"میں اس راجا اشرف بھائی سونے والے سے ملنا پسند کروں گا۔"

"لیکن یہ بے چارہ تو سونے والا ہے۔ آپ سے کس طرح ملے گا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیوں۔ مل کیوں نہیں سکے گا۔"

"سو رہا ہو گا۔"

"بھئی یہ دوسرا سونا ہے۔ جس کے زیورات بنائے جاتے ہیں۔" خان رحمان نے بُرا سا منہ بنایا۔

"اوہ اچھا انکل۔ تب تو یہ بہت مال دار شخص ہو گا۔ وی سی آر بھیجنا اس کے لیے کیا مشکل ہے۔" فاروق بولا۔

"مشکل ہو یا آسان۔ بلاوجہ کوئی وی سی آر نہیں بھیج سکتا چاہے کسی کے پاس قارون کا خزانہ کیوں نہ ہو۔" محمود نے جل کر کہا۔

"میں اس وقت جا رہا ہوں۔ تم لوگ اپنے انکل کی خاطر تواضع کرو۔"

"ہمیں خاطر تواضع کرانے کا شوق نہیں۔ ہم تمھارے ساتھ چلیں گے۔ یہ معاملہ ہمارے لیے حد درجے عجیب ہے۔" خان رحمان جلدی سے بولے۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"ایک تو ہم لوگوں کے خیالات آپس میں بہت ملتے جلتے ہیں۔" فاروق چُپ نہ رہ سکا۔

"اسی لیے تو ایک دوسرے کے نزدیک نظر آ رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اور وہ خان رحمان کی کار میں بیٹھ کر راجا اشرف بھائی سونے والے کی طرف روانہ ہوئے۔ بیس منٹ بعد وہ اس کی کوٹھی کے سامنے کھڑے تھے اور حیران ہو رہے تھے، کیوں کہ انھوں نے اکثر محل نما کوٹھیاں دیکھی تھیں، لیکن اس قدر بڑی اور عظیم الشان کوٹھی آج تک نہیں دیکھی تھی۔ کوٹھی کے دروازے پر ایک باوردی چوکیدار کھڑا تھا۔ وہ انھی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نزدیک پہنچنے پر انسپکٹر جمشید نے اس سے کہا:

"ہمیں راجا اشرف بھائی سے ملنا ہے۔"

"کیا آپ نے ملاقات کا وقت لے رکھا ہے؟"

"نہیں۔"

"تب تو آپ ان سے نہیں مل سکتے۔ ہاں میں وقت لے دیتا ہوں۔"

"نہیں بھئی۔ ہم ابھی اور اسی وقت مل کر جائیں گے۔" وہ مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"آپ میرا کارڈ ان تک پہنچا دیں۔"

"نہیں اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔"

"تب فون پر میری ان سے بات کرا دیں۔"

"فون پر ان کے سیکرٹری صاحب سے بات کی جا سکتی ہے۔"

"خیر یوں ہی سہی۔" انھوں نے منہ بنایا۔

جلد ہی وہ فون پر سیکرٹری سے بات کر رہے تھے۔

"آپ کی تعریف؟" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔"

"فرمائیے۔ کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"راجا اشرف بھائی سے ملاقات کرا دیں۔"

"پہلے وقت لینا ہوگا آپ کو۔"

"میں ان پابندیوں کا عادی نہیں۔ انھیں اسی وقت مجھ سے ملنا ہوگا۔ سمجھے آپ۔"

"جی نہیں۔ میں ایسی باتیں سمجھنے کا عادی نہیں۔"

"تب آپ کو بھی پچھتانا پڑے گا۔ آپ کا نام؟"

"خالد محمود رانا۔"

"تو جناب خالد محمود رانا۔ پہلے آپ مجھ سے ملاقات کرنا پسند کریں گے یا پولیس سے۔"

"کیا مطلب۔ آپ جانتے ہیں، کس سے کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں جانتا ہوں۔ لیکن آپ نہیں جانتے۔ میرا قیمتی وقت برباد کرنے کی سزا کیا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ فوراً راجا اشرف کو میری آمد کی اطلاع دی جائے۔"

"افسوس! میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

"اب مجھے کارروائی کرنا ہوگی۔"

دوسری طرف سے کوئی جواب دیے بغیر ریسیور رکھ دیا گیا۔ انسپکٹر جمشید نے فوراً اکرام کے نمبر ملائے اور بولے:

"ہیلو اکرام۔ آدھ گھنٹے کے اندر اندر راجا ہاؤس کو گھیرے میں لے لو۔"

"جی۔ راجا ہاؤس کو۔ آپ کا مطلب ہے۔ راجا اشرف بھائی کی کوٹھی کو۔"

"تو تم اسے جانتے ہو؟"

"اس جیسے مشہور آدمی کو ہر پولیس والا جانتا ہے سر۔" اکرام نے کہا۔

"لیکن میں نہیں جانتا۔ تم اس کی کوٹھی گھیرے میں لے لو۔"

"او کے سر۔ ابھی لیجیے۔ لیکن بات کیا ہو گئی؟"

"بات بعد میں بتائی جائے گی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

آدھ گھنٹے کے بعد اکرام کے آدمی کوٹھی کے گرد کھڑے تھے۔

"سپیکر پر اعلان کرو۔ کہ راجا اشرف باہر تشریف لے آئیں، ورنہ پولیس اندر داخل ہو جائے گا۔"

"سر۔ یہ مناسب نہیں ہو گا۔" اکرام نے گھبرا کر کہا۔

"تم سے جو کہا ہے، کرو۔" انسپکٹر جمشید نے تلملا کر کہا۔

"او کے سر۔" وہ بولے۔

اور پھر لاؤڈ سپیکر پر اعلان نشر کیا جانے لگا۔

"ہیلو۔ راجا اشرف بھائی۔ آپ کی کوٹھی کو پولیس نے گھیرے میں لے لیا ہے۔ آپ کے لیے بہتر ہو گا کہ سامنے آجائیں اور ہم سے بات کریں۔"

یہ اعلان تین بار دہرایا گیا۔ اس کے بعد یہ الفاظ گونجے:

"آپ کو صرف دس منٹ دیے جاتے ہیں۔ دس منٹ بعد پولیس اندر داخل ہو جائے گی۔"

لیکن ابھی دس منٹ نہیں گزرے تھے کہ پولیس کی جیپوں کے پاس ایک اور پولیس جیپ آ کر رُکی اور سلوٹوں کی آواز گونجنے لگی۔

پُرانی عادت

انسپکٹر جمشید ان کی طرف مُڑے۔ آنے والے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ گُل بہادر خان تھے۔ وُہ سیدھے ان کی طرف آئے۔ چہرے پر ناخوش گواری برس رہی تھی:

"یہ سب کیا ہے انسپکٹر صاحب؟" انھوں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مجھے راجا اشرف بھائی سے ملنا ہے، لیکن ان کے سیکرٹری کا کہنا ہے کہ ان سے مُلاقات کے لیے پہلے سے وقت لینا ہوگا۔ میں نے سیکرٹری خالد محمود سے کہا کہ آپ کم از کم راجا اشرف بھائی کو اطلاع تو دے دیں کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ لیکن انھوں نے اطلاع دینے سے بھی انکار کر دیا۔"

"اوہ!"

"آپ خود سوچیے۔ کیا یہ بات غصّہ دلانے والی نہیں ہے؟"

"ہاں! ہے تو سہی۔ خیر آپ ٹھہریے۔ میں فون پر سیکرٹری

سے بات کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وُہ آگے بڑھے ہی تھے کہ انسپکٹر جمشید بول اُٹھے:

"ایک منٹ جناب۔ آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ آپ اِدھر کیسے تشریف لائے؟"

"ہم۔ میں۔ میں بھی راجا اشرف بھائی سے ملنے آیا تھا۔" وُہ گڑبڑا گئے۔

"تو کیا آپ نے ان سے مُلاقات کا وقت لے رکھا ہے؟"

"ارے نہیں۔ وُہ میرے دوست ہیں۔ مجھے ان سے وقت لینے کی ضرورت نہیں۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"شکریہ!" انسپکٹر جمشید نے کہا اور وُہ آگے بڑھ گئے۔

"اس کا مطلب ہے۔ سیکرٹری یا خود راجا اشرف نے انھیں فون کرکے بلایا ہے کہ یہ ہمارے مقابلے میں ان کی مدد کریں۔" محمود بڑبڑایا۔

"اگر یہ بات ہے تو ہم گورنر صاحب کو بلا لیتے ہیں۔" خان رحمان نے بھنّا کر کہا۔

"بلکہ صدر صاحب کو؟" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"نہیں۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ راجا اشرف بھائی کو ہم سے ملاقات کرنا پڑے گی۔" انسپکٹر جمشید نے مطمئن لہجے میں کہا۔

پانچ منٹ بعد گل بہادر خان آتے نظر آئے:

"چلیے بھئی۔ ملاقات کر لیں۔ راجا اشرف صاحب کو افسوس ہے کہ سیکرٹری نے آپ لوگوں کے ساتھ زیادتی کی۔"

"یہی میرا خیال تھا کہ راجا اشرف اس قدر ضدی نہیں ہو سکتے، یہ سب کیا دھرا ان کے سیکرٹری کا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! بالکل یہی بات ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ سیکرٹری صاحب بھی آپ سے معافی مانگیں گے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔"

وہ گل بہادر خان کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ نہ جانے انھیں کتنے برآمدے اور راہداریاں عبور کرنا پڑیں۔ آخر وہ ایک شاہانہ کمرے میں داخل ہوئے۔ ایک تخت نما مسہری پر ایک بہت موٹا آدمی بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے صوفے پر لمبے قد کا پتلا دبلا آدمی سہما ہوا بیٹھا تھا۔

"آئیے جناب تشریف لائیے۔" مسہری پر بیٹھے شخص نے کہا۔

"تو آپ راجا اشرف بھائی ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں! میں ہی ہوں۔ یہ ہیں میرے سیکرٹری۔ جن کی وجہ سے آپ کو پریشانی ہوئی۔ خالد محمود ان سے معافی مانگو۔"

"سوری سر۔ میں معافی نہیں مانگوں گا۔" خالد محمود نے

بُرا سا منہ بنایا۔

"کیا کہا۔ تم معافی نہیں مانگو گے؟"

"ہاں! نہیں مانگوں گا۔"

"اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید ہاتھ اُٹھا کر بولے۔

"ضرورت ہے انسپکٹر صاحب۔ آپ اس وقت تک میرے بارے میں نہ جانے کیا کیا باتیں سوچتے رہے ہوں گے۔ اور یہ سب ان کی وجہ سے ہوا، لہذا ان کو معافی مانگنا پڑے گی۔"

"نہیں جناب۔ میں معافی نہیں مانگوں گا، کیوں کہ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ قصور آپ کا ہے آپ خود معافی مانگیں۔"

"تم۔ تم ہوش میں تو ہو۔" راجا اشرف کا رنگ سُرخ ہو گیا۔

"کیا یہ آپ کا حکم نہیں ہے کہ وقت لیے بغیر کسی بھی ملاقاتی کی آمد کی اطلاع آپ کو نہ دی جائے؟"

"ہاں! یہ ہدایات میری ہیں، لیکن سرکاری افسر تو ہمارے محتاج نہیں ہیں۔ اس لیے تمھیں سوچنا چاہیے تھا، لیکن تم نے کچھ بھی سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس لیے معافی مانگو۔"

"افسوس! میں آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کر سکتا۔"

"تب تم۔ اسی وقت کوٹھی سے نکل جاؤ۔ مجھے تمھاری ضرورت نہیں۔" راجا اشرف نے تلملا کر کہا۔

'شکریہ - میں ملازمت چھوڑ سکتا ہوں - معافی نہیں مانگ سکتا۔' سیکرٹری نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

'ٹھیک ہے - تم جا سکتے ہو - کل آ کر اپنا حساب کر لینا۔'

'میں حساب کرنے بھی نہیں آؤں گا۔' وہ بولا۔

'ایک منٹ جناب - میرا خیال ہے - آپ لوگ نہ جھگڑیں مجھے معافی کی کوئی ضرورت نہیں۔'

'نہیں انسپکٹر صاحب - اب یہ ہو کر رہے گا۔'

'اور میں یہاں سے جا کر رہوں گا۔' سیکرٹری نے کہا اور پاؤں زور سے مارتا کمرے سے نکل گیا۔

'شکر ہے - ایک ضدی انسان سے نجات مل گئی۔'

'لیکن میرے خیال میں تو یہ اچھا نہیں ہوا۔' انسپکٹر جمشید بولے -

'آپ محسوس نہ کریں اور یہ فرمائیں - مجھ سے کس لیے ملنا چاہتے ہیں؟'

'آپ کی طرف سے مجھے اور میرے دوست خان رحمان صاحب کو دو پیکٹ وصول ہوئے ہیں۔'

'جی کیا فرمایا - دو پیکٹ - میری طرف سے اور آپ کو ؟' اس نے بوکھلا کر کہا۔

'جی ہاں - بالکل یہی بات ہے - ان پر بھیجنے والے کے نام

اور پتے کی جگہ آپ کا ہی نام تھا۔'

'اور پتا؟' اس نے ایسے انداز میں کہا جیسے خواب میں بول رہا ہو۔

'پتا بھی آپ کا ہی تھا - یعنی اس کوٹھی کا۔'

'نن - نہیں - میں نے آپ لوگوں کو کوئی پیکٹ نہیں بھیجے۔' اس نے کہا۔

'ہمارا بھی یہی خیال تھا کہ کسی نے صرف آپ کا نام اور پتا استعمال کیا ہے، کیوں کہ رجسٹرڈ پیکٹ پر بھیجنے والے کا نام پتا ضرور لکھا جاتا ہے۔'

'آخر ان میں کیا تھا؟' ڈی ایس پی بولے۔

'دو عدد وی سی آر۔'

'جی - وی سی آر۔' ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

'ہاں ! وی سی آر۔' انھوں نے کہا۔

'عجیب بات ہے۔' ڈی ایس پی گل بہادر خان بڑبڑائے۔

'بلکہ کچھ زیادہ ہی عجیب ہے۔' راجا اشرف نے پریشان ہو کر کہا۔

'کچھ زیادہ ہی عجیب - آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟' فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

'میرے شوروم میں وی سی آر بھی برائے فروخت رکھے

جاتے ہیں۔"

"ارے، تب تو پھر آپ شوروم کے انچارج سے بات کریں۔"

انسپکٹر جمشید چونک اُٹھے۔

"ہاں بالکل۔"

اس نے کہا اور جلدی جلدی فون پر نمبر گھمانے لگا۔ سلسلہ ملنے پر بولا:

"ہیلو شرافت بیگ۔ ہمارے شوروم سے دو عدد وی سی آر پیکٹوں کی صورت میں انسپکٹر جمشید اور مسٹر خان رحمان صاحبان کو تو ارسال نہیں کیے گئے۔" یہ کہہ کر وہ رکا، پھر چونک کر بولا:

"کیا کہا۔ بھیجے گئے ہیں، لیکن کیوں۔ کس کے حکم سے؟"

جواب سُن کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے گھبرا کر ریسیور رکھ دیا اور بولا:

"شرافت بیگ کا کہنا ہے کہ اسے ایسا کرنے کے لیے سیکرٹری خالد محمود نے کہا تھا۔"

"کیا!!" وہ اچھل پڑے۔

★

"مسٹر خالد محمود ابھی اپنا سامان سمیٹ رہے ہوں گے۔ ان کا کمرہ کون سا ہے؟"

"گل بہادر خان صاحب۔ مہربانی فرما کر ان کی مدد کریں۔ میں تو اُٹھنے میں ہی بہت دیر لگا دوں گا۔" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"او ہاں۔ آئیے میرے ساتھ۔"

"مشکل ہے۔ اب تک تو وہ کہیں کا کہیں پہنچ چکا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"پھر بھی۔ دیکھ لینے میں کیا حرج ہے؟"

"ہوں ٹھیک ہے۔ دیکھ لیتے ہیں۔"

وُہ سب باہر نکلے اور گل بہادر خان کے پیچھے چلتے ایک کمرے تک پہنچے۔ دُوسرا لمحہ حیران کُن تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور خالد محمود بڑے اطمینان سے اپنا سامان باندھنے میں مصروف تھا۔ ان کے قدموں کی آواز سُن کر اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ اور پُرسکون آواز میں بولا:

"نہیں جناب۔ میں آپ لوگوں کی کوئی بات نہیں مانوں گا۔ اب میں اس شخص کی ملازمت ہرگز نہیں کروں گا۔ حکم خود دیتے ہیں۔ اور پھر جب ہم حکم پر عمل کرتے ہیں تو خود ہی ڈانٹتے ہیں۔ ایسا آج پہلی بار نہیں ہو رہا۔ یہ تو

روز کا کام ہے۔"

"ہوں! ہم آپ کو روکنے نہیں آئے" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"روکنے نہیں آئے۔ تو پھر فرمایئے۔"

"آپ نے دو وی سی آر بذریعہ رجسٹرڈ پیکٹ مجھے اور میرے دوست خان رحمان کو بھجوائے تھے؟"

"ہاں۔ بالکل بھجوائے تھے۔ کیوں۔ کیا وہ ٹھیک نہیں ہیں، ان میں کوئی نقص ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ آپ نے کیوں بھجوائے تھے؟"

"کیوں بھجوائے تھے۔ اس لیے کہ راجا اشرف بھائی صاحب نے حکم دیا تھا۔" اس نے طنزیہ انداز اختیار کیا۔

"کیا کہا۔ انھوں نے حکم دیا تھا؟"

"ہاں بالکل۔ یہ انھی کا حکم تھا۔"

"جب کہ ان کا کہنا ہے کہ انھیں اس بارے میں کچھ علم نہیں۔"

"آیئے۔ میں اس جھوٹے شخص کے سامنے چلتا ہوں۔ ذرا دیکھیے گا، اس کے چہرے کا رنگ کس طرح بدلتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں! یہ ضروری ہے۔ چلنا ہی ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے

کہا۔

وہ ایک بار پھر راجا اشرف کے کمرے میں داخل ہوئے۔

"حد ہو گئی یعنی کہ۔ آپ نے خود تو پرسوں مجھے آرڈر دیا تھا کہ میں دو وی سی آر ان حضرات کو بھجوا دوں۔" خالد محمود بولا۔

"میں نے آرڈر دیا تھا۔ کیوں مجھ پر الزام لگا رہے ہو۔"

"یہ الزام نہیں ہے۔ بہرحال میں نقصان کی ذمے داری لیتا ہوں۔ انسپکٹر صاحب۔ ان دونوں سیٹوں میں اگر کوئی نقص ہے تو میں آپ کو دوسرے سیٹ بھجوا سکتا ہوں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم تو بس یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہمیں وہ سیٹ بھجوائے کیوں گئے ہیں؟"

"بھجوائے کیوں گئے ہیں۔ آپ نے منگوائے تھے۔ اور کیا۔"

"یہی تو مصیبت ہے۔ ہم نے نہیں منگوائے تھے۔"

"کیا۔ نہیں منگوائے تھے۔ تو پھر انھوں نے مجھے کیوں ایسا حکم دیا۔"

"یہ غلط ہے۔ میں نے نہیں بھجوائے۔" راجا اشرف بھائی چلا اٹھا۔

"خیر۔ معاملہ اُلجھ گیا ہے۔ مسٹر خالد محمود۔ آپ کہاں رہتے ہیں؟"

"۱۳۰، شالی روڈ!"

"محمود پتا نوٹ کر لو۔ شاید ہمیں ان سے پھر ملنا پڑے۔"

"بہت بہتر!" محمود نے کہا اور پتا نوٹ بک میں لکھ لیا۔

"اب ہم چلیں گے۔"

"آپ سے پہلے میں یہاں سے رخصت ہونا چاہتا ہوں، ورنہ یہ شخص شاید مجھے کاٹ کھائے گا۔" خالد محمود نے کہا اور تیز تیز چلتا کمرے سے نکل گیا۔

"یہ۔ یہ چکر میری سمجھ میں نہیں آیا۔" راجا اشرف نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔

"سمجھ تو ہمیں بھی نہیں آیا جناب!" فاروق نے منہ بنایا۔

"خیر ہمیں یہ تو معلوم ہو ہی گیا ہے کہ وی سی آر انھی کے شو روم سے بھیجے گئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آپ نے اب تک یہ نہیں بتایا۔ الجھن کیا ہے؟"

"یہ کم الجھن ہے۔ ہم نے ایک چیز منگوائی نہیں۔ اور ہمیں موصول ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیوں؟ بھیجنے والے کا بیان یہ ہے کہ انھوں نے وی سی آر نہیں بھجوائے۔ ان کے ایک ملازم کا کہنا ہے کہ انھوں نے ہی بھیجنے کا حکم دیا تھا۔"

"او! آپ کا مطلب ہے۔ یہ کام میرا ہی ہے؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

"ان حالات میں ہم اور کیا سوچ سکتے ہیں۔"

"لیکن جناب۔ مجھے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرا دماغ تو نہیں چل گیا۔ کہ بلاوجہ اپنے دو سیٹ کسی کو بھجوا دیتا۔ وی سی آر سیٹ اتنے سستے بھی نہیں ہوتے۔"

"کسی نہ کسی نے یہ کام ضرور کیا ہے۔ اور ہمیں یقین ہے، اس کا دماغ نہیں چلا ہوا۔ اس نے سوچ سمجھ کر یہ کام کیا ہے۔ بس ہمیں یہی معلوم کرنا ہے کہ وہ کون ہے اور ایسا کیوں کیا گیا ہے۔ صاف ظاہر ہے۔ یا تو وہ آپ ہیں۔ یا مسٹر خالد محمود۔ اور میں یہ معلوم کر ہی لوں گا کہ آپ میں سے کس نے ایسا کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں کہتے چلے گئے۔

"ضرور! میں تو خود یہ چاہتا ہوں کہ آپ یہ بات معلوم کر لیں، کیوں کہ میں خود بہت الجھن محسوس کر رہا ہوں۔ اگر آپ لوگوں سے رقم بھی وصول کی گئی ہوتی تو میں اسے فبن کا کیس خیال کرتا، لیکن مشکل تو یہ ہے کہ خالد محمود نے کوئی رقم وصول نہیں کی۔ آخر ایسا کرنے سے اس کا کیا مقصد تھا۔ کہیں وہ صرف مجھے نقصان پہنچانے کے چکر میں تو نہیں۔ چلا تھا؟"

"یہ اسی صورت میں کہا جا سکتا ہے جب اس کی ایسی حرکات پہلے بھی پکڑی جا چکی ہوں۔"

"میں چیکنگ شروع کراتا ہوں" راجا اشرف جلدی سے بولا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ جو نتیجہ نکلے۔ مجھے بھی بتا دیجیے گا۔"

"بہتر!" اس نے کہا اور وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ گل بہادر خان وہیں بیٹھے رہ گئے۔

"ہاں بھئی۔ کیا خیال ہے؟" باہر نکل کر انسپکٹر جمشید بولے۔

"مجھے تو یہ کام راجا اشرف کا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"اس صورت میں اسے انکار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ کہہ سکتا تھا۔ بطور تحفہ ارسال کیے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"گویا آپ کا شک خالد محمود پر ہے۔"

"میں ابھی کچھ نہیں کہوں گا۔" یہ کہہ کر وہ کار میں بیٹھ گئے۔

"اب کہاں؟"

"بس۔ دیکھتے جاؤ۔ یہ معاملہ برابر میری اُلجھن میں اضافہ کر رہا ہے۔"

کار اب تیز رفتاری سے چلی جا رہی تھی۔ آخر وہ شہر کی سب سے بڑی مارکیٹ میں داخل ہوئے۔ کار ایک جگہ پارک کر کے انھوں نے راجا اشرف کے شوروم کا رُخ کیا۔ تلاش میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

"جی فرمایئے۔" کاؤنٹر پر کھڑے کئی ملازمین میں سے ایک نے فوراً ان کی طرف توجہ دی۔

"مسٹر شرافت بیگ سے ملنا ہے۔"

"اندر چلے جایئے۔ کمرے میں ہیں۔"

وہ آگے بڑھ گئے۔ اندر شیشوں کی دیوار والا ایک کمرہ بنایا گیا تھا۔ اس کے اندر سفید بالوں والا ایک آدمی عینک لگائے بیٹھا تھا، لیکن وہ بوڑھا نہیں تھا۔

"شرافت بیگ آپ ہی ہیں؟"

"جی ہاں! تشریف لایئے۔ کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔ اور یہ خان رحمان اور پروفیسر داؤد ہیں۔"

"اوہ۔ سمجھا۔ آپ بھی ان چیکوں کے بارے میں پوچھنے آئے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔ آپ کو کس نے حکم دیا تھا؟"

"سیکرٹری صاحب نے۔"

"کیا سیکرٹری صاحب پہلے بھی ایسے حکم دیتے رہے ہیں؟"

"جی ہاں! اکثر۔"

"اور وہ فون پر کیا کہتے تھے۔ یہ حکم راجا اشرف صاحب کا ہے۔"

"جی ہاں! وہ یہی کہا کرتے تھے۔"

"اور آپ ان کے الفاظ سُن کر چیزیں لوگوں کو بھیجتے

رہے ہیں۔"

"جی بالکل۔"

"وی سی آر سیٹ اور کس کس کو بھجوائے گئے ہیں؟"

"یہ تو میں رجسٹر دیکھ کر ہی بتا سکتا ہوں۔"

"تو پھر مہربانی فرمائیے۔ ہمیں ان لوگوں کے نام اور پتے درکار ہیں۔"

"بہت بہتر۔ ابھی لیجیے۔"

جلد ہی اس نے ایک کاغذ ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس پر تو نام پتے لکھے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے اٹھتے ہوئے کہا:

"اب میں ایک مزے دار بات آپ کو بتاتا ہوں۔"

"جی فرمائیے!" شرافت بیگ نے حیران ہو کر کہا۔

"مسٹر راجا اشرف نے ان میں سے کسی کو بھی سیٹ بھیجنے کا حکم نہیں دیا۔"

"کیا۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔" شرافت بیگ اچھل پڑا۔

"ہاں! کم از کم ان کا بیان یہی ہوگا۔ مسٹر خالد محمود اپنی طرف سے یہ حکم آپ کو دیتے رہے ہیں۔"

"جی ۔ نہیں۔" اس نے کانپ کر کہا۔

"لیکن آپ کیوں پریشان ہو گئے۔ مسٹر راجا اشرف آپ کو تو کچھ نہیں کہیں گے۔ اس میں آپ کا تو کوئی قصور نہیں۔"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ قصور کسی کا ہوتا ہے اور وہ بگڑ پڑتے ہیں کسی اور پر۔ یہ ان کی پرانی عادت ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، کیوں کہ یہ بات خالد محمود نے بھی کہی تھی۔

"خیر۔ اگر وہ آپ پر بگڑیں تو ذرا مجھے فون کر دیجیے گا۔"

"جی۔ جی بہتر۔" اس نے پریشان آواز میں کہا اور وہ لوگ باہر نکل آئے۔

اب کار پھر اڑی جا رہی تھی۔

"اب کہاں چل رہے ہیں؟" فرزانہ بولی۔

"صاف ظاہر ہے۔ ہم اس کاغذ پر لکھے ایک دو آدمیوں کو تو ضرور چیک کریں گے۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

عین اسی وقت ایک فائر کی آواز گونج اٹھی۔

جڑ کا آدمی

گولی ان کی کار کا شیشہ توڑتی گزر گئی — وہ بال بال بچے — گولی نیلے رنگ کی ایک کار سے چلائی گئی تھی — وہ ان کے پیچھے سے نمودار ہوئی تھی اور دیکھتے دیکھتے ان سے آگے بہت دور جا پہنچی — انسپکٹر جمشید نے پہلے تو پھرتی سے بریک لگائے — پھر کار کو پوری رفتار پر چھوڑ دیا —

"نیلی کار والا طوفانی انداز میں کار چلا رہا ہے — کہیں وہ حادثہ نہ کر بیٹھے۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"کچھ بھی ہو — ہمیں بھی اس تک پہنچنا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے —

"اور اس سے پوچھنا ہے — بھئی گولی چلانے کی ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی۔" فاروق مسکرایا۔

"یہ ضرورت بھی اسی کو پیش آئی ہو گی جس نے ہمیں وی سی آر بھجوائے ہیں۔"

"جی — کیا مطلب؟"

"وی سی آر تو وہ بھیج بیٹھا، لیکن اب جب اس نے دیکھا کہ ہم اس معاملے کے پیچھے پڑ گئے ہیں تو شاید اسے افسوس ہوا — اس کا خیال ہو گا کہ ہم اس معاملے کی طرف توجہ نہیں دیں گے — اور یہ سوچنا ہی اس کی غلطی تھی — ہمارے ہاتھوں میں تو غلط طریقے سے ایک پیسہ بھی آ جائے تو ہم تحقیق کیے بغیر نہیں رہیں گے۔"

"پھر وہی سوال ذہن میں ابھرتا ہے — آخر اسے اتنی قیمتی چیز لوگوں کو تحفے کے طور پر بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"یہی ہمیں معلوم کرنا ہے — اور یہ بھی کہ وہ کون ہے۔"

"خیر — اس کا جواب تو اندازے سے دیا جا سکتا ہے — یا تو وہ راجا اشرف بھائی ہے — یا خالد محمود۔" فاروق نے کہا —

"ضروری نہیں — وہ ان کے علاوہ کوئی تیسرا شخص بھی ہو سکتا ہے۔" وہ بولے۔

"آپ کا مطلب ہے — یہ کار والا۔"

"ہاں — بلکہ اس کے علاوہ بھی کوئی ہو سکتا ہے۔"

"ویسے جمشید مجھے حیرت ہے — اس سیدھے سادے معاملے میں بھی قاتلانہ حملہ نکل آیا۔" خان رحمان بولے۔

"یہی تو بات ہے۔ معاملہ سیدھا سادا نہیں ہے نا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

جلد ہی دونوں کاریں شہر سے باہر نکل آئیں۔ ابھی تک انسپکٹر جمشید نے نیلی کار کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا تھا، اگرچہ اس کے ڈرائیور نے پوری کوشش کی تھی۔ اور پھر اچانک اس کی رفتار کم ہو گئی۔ انسپکٹر جمشید فوراً اس تک پہنچ گئے اور اس سے آگے نکلتے چلے گئے۔ انھوں نے کار کو ترچھا کر کے روک لیا۔ نیلی کار کے ڈرائیور کو فوری بریک لگانا پڑے، پھر جھنجلا کر کہا گیا:

"یہ کیا۔ آپ نے راستا کیوں روک لیا؟" آواز کھُردری سی تھی۔

"تو اور کیا کرتا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تم۔ تم لوگ ڈاکو واکو تو نہیں ہو؟" نیلی کار سے کہا گیا۔

"ہم تو ڈاکو واکو پکڑنے والوں میں سے ہیں۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

انسپکٹر جمشید نیچے اُتر آئے۔ پھر سب نیلی کار کی طرف بڑھے:

"آپ کی اس کار سے ہماری بے چاری کار پر فائر کیا گیا

ہے۔ اگر یقین نہیں آتا تو کار سے پوچھ لیں۔"

"ٹھیک۔ کار سے پوچھ لوں۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ چہرے پر گھبراہٹ کے آثار تھے۔ جیسے چوری کر کے بھاگا ہو۔

"ہاں! ہماری کار۔ بولتی کار ہے۔ آپ نے کبھی جادوئی کہانیاں پڑھی ہیں۔ ان میں بولتے جانوروں کا عام ذکر ہوتا ہے۔" فاروق جلدی جلدی بولا۔

"فاروق تم چُپ رہو۔"

"جی بہتر۔" اس نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

"ہم کار کی اور آپ کی تلاشی لیں گے۔"

"آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"اگر یہ بات ثابت ہو گئی تو ہم آپ سے معافی مانگ لیں گے، فکر نہ کریں۔" فرزانہ بولی۔

"ٹھیک ہے۔ تلاشی لے لیں۔" اس نے کہا۔

انھوں نے کار کی اچھی طرح تلاشی لی۔ اور پھر ڈرائیور کو بھی ٹٹولا، لیکن پستول نہ مل سکا۔

"آپ کا نام کیا ہے جناب۔ اور کیا کرتے ہیں؟"

"میں ہارون شاہ ہوں۔"

"اچھا ہی ہے۔ آپ ہارون شاہ ہیں۔" فاروق بول اٹھا۔

"کیا مطلب ؟"

"فاروق ! تم پھر بولے" انسپکٹر جمشید نے اسے ڈانٹا۔

"اوہ۔ سوری"

"تو جناب ہارون شاہ۔ یہ ٹھیک ہے کہ پستول ہمیں نہیں ملا۔ لیکن ہمیں اس میں ایک فی صد بھی شک نہیں کہ اس کار سے گولی چلائی گئی ہے۔ گولی یقیناً اس کار سے چلائی گئی تھی، کیوں کہ پورے راستے میں کار نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی اور نہ یہ کسی جگہ رکی۔ ہاں۔ ایک بات ضرور ہو سکتی ہے" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"کیا بات ہو سکتی ہے" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ کہ آپ نے پستول پھینک دیا ہو"

"اس بات کو ثابت آپ کر دیں۔ ہتھکڑیاں میں لگوا لوں گا" اس نے ہنس کر کہا۔

"خوب ! معلوم ہو گیا۔ آپ نے پستول پھینک دیا تھا۔ خیر آپ کہاں رہتے ہیں؟"

"غوری ٹاؤن۔ ۱۰۴ نمبر کوٹھی"

"آپ اس طرف کہاں جا رہے ہیں؟ میرے خیال میں تو اس طرف کوئی غوری ٹاؤن نہیں ہے"

"شہر سے باہر میرا ایک دوست رہتا ہے۔ اس سے

ملاقات کا ارادہ تھا"

"لگے ہاتھوں اس دوست کا نام پتا بھی بتا دیں"

"تو آپ میرے دوست کو بھی پریشان کریں گے"

"نہیں۔ پریشان تو ہم آپ کو بھی نہیں کر رہے" محمود بول اٹھا۔

"کیوں۔ کیا یہ پریشان کرنا نہیں ہے"

"بالکل نہیں۔ ہم آپ کو یہاں سے سیدھے پولیس اسٹیشن لے جا سکتے تھے"

"تو پھر لے جا کیوں نہیں رہے"

"بس۔ یہ ہمارا طریقۂ کار نہیں۔ اگر پستول برآمد ہو جاتا تو پھر اور بات تھی۔ خیر۔ آئیے واپس چلیں" انسپکٹر جمشید نے دوستانہ انداز میں کہا۔

"کیا فرمایا۔ واپس چلیں" وہ چونکا۔

"ہاں ، ہم آپ کے ساتھ آپ کے گھر تک جائیں گے۔ تاکہ آپ کی بات کی تصدیق ہو جائے۔ ہاں۔ آپ نے اپنے دوست کا نام نہیں بتایا"

"میرے دوست کا نام راشد جوجو ہے"

"یہ جوجو کیا ہوا؟"

"ہو گی ذات وات"

"اور وہ شہر سے باہر کیوں رہتے ہیں؟"

"ادبی آدمی ہے۔ شہر کے ہنگاموں سے گھبراتا ہے۔ لہٰذا دریا کے کنارے ایک چھوٹا سا مکان بنا لیا ہے۔"

"وہ یہاں سے کتنی دُور رہتے ہیں؟"

"چند کلومیٹر کا فاصلہ اور ہوگا۔"

"تو پھر چلیے۔ پہلے جوجو صاحب سے مل لیں۔ اس کے بعد آپ کے گھر کا رُخ کریں گے۔"

"آخر آپ لوگ کون ہیں۔ یہ بھی تو بتائیے۔"

"خادم کو انسپکٹر جمشید کہتے ہیں۔ اور۔۔"

"کیا۔ آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔ ارے باپ رے۔"

"اس میں ارے باپ رے کی کیا بات ہے۔ یہ کوئی جن بھوت تو نہیں ہیں۔" فاروق نے جھنا کر کہا۔

"م۔ میں نے آپ کا بہت نام سنا ہے۔"

"اگر آپ جرائم پیشہ ہیں تو واقعی بہت نام سنا ہوگا آپ نے۔" محمود نے کہا۔

"نہیں۔ یہ بات نہیں۔" وہ گھبرا کر بولا۔

مہربانی فرما کر اپنی کار میں بیٹھ جائیے اور اپنے دوست کی طرف چلیے۔"

"اچھی بات ہے، لیکن اس بات کا خیال رہے۔ میرے

دوست کو یہ بہت ناگوار محسوس ہوگا، کیوں کہ وہ ضرورت سے زیادہ تنہائی پسند ہے۔"

"اوہ! کس قدر شوق تھا مجھے۔ کسی ضرورت سے زیادہ تنہائی پسند آدمی سے ملاقات کا۔" فاروق خوش ہو گیا۔

"جی۔ کیا کہا آپ نے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"کچھ نہیں۔ آپ چلیے۔ دیر نہ کیجیے۔" انسپکٹر جمشید نے فاروق کو گھورا۔

وہ چل پڑے۔ دریا کے کنارے ایک بہت خوب صورت کوٹھی کو دیکھ کر ان کی حیرت میں اضافہ ہو گیا۔ اس کا مطلب تو یہ تھا کہ ہارون شاہ نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔

کار سے اُتر کر اس نے دستک دی۔ تین منٹ بعد دروازہ کھلا تو ایک بکھرے بالوں والے آدمی کا چہرہ دکھائی دیا۔ اس کا قد لمبا تھا۔ اور جسم پتلا دُبلا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بالوں میں کبھی کنگھی نہ کرتا ہو۔ انگلیاں سگریٹ کے دھوئیں سے زرد تھیں۔

"ارے۔ ہارون شاہ تم۔ بہت دنوں بعد آئے۔"

"یہ تو آج بھی نہیں آرہے تھے۔ ہم زبردستی لے آئے۔" فاروق چہکا۔

"کک۔ کیا مطلب۔ یہ۔ یہ کون لوگ ہیں؟"

"ہو جو۔ یہ انسپکٹر جمشید ہیں۔ اور یہ ان کے ساتھی۔"

"اور تم ان لوگوں کو میرے پاس کیوں لائے ہو؟"

"میں نہیں لایا۔ اندر چلو نا۔ میں تفصیل سے بتاؤں گا۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ آئیے جناب۔"

وہ انھیں ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ پورا ڈرائنگ روم کتابوں سے بھرا تھا۔ ان کے بیٹھ جانے کے بعد ہارون شاہ نے پوری بات دہرا دی۔

"گویا یہ صرف تمھارے جھوٹ اور سچ کا جائزہ لینے کے لیے یہاں تک آئے ہیں۔"

"ہاں! بس یہی بات ہے۔"

"تو پھر۔ آپ کو یقین آ گیا یا نہیں۔" وہ ان کی طرف مڑا۔

"آ ہی گیا۔ آپ کیا لکھتے ہیں؟"

"تاریخ اسلام میرا موضوع ہوا۔ اسلام کی بڑائی کے گیت گاتا ہوں اپنی کتابوں میں۔"

"اوہو۔ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ یہ میرا بھی پسندیدہ موضوع ہے۔ آپ چند کتابیں پڑھنے کے لیے دینا پسند کریں گے، میں واپس دے جاؤں گا۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" وہ خوش ہو کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس جا رہے تھے۔ ہارون شاہ راشد جوجو کے پاس ہی رک گیا تھا۔ چلتے وقت جوجو نے انھیں چار کتابیں بھی دیں۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔ ہم تو سمجھے تھے اس نے دوست کے بارے میں جھوٹ بولا ہے۔" محمود بولا۔

"ہاں! لیکن خیر۔ ہو سکتا ہے۔ ہم نے غلط کار کا تعاقب کیا ہو۔ گولی اس کار سے چلائی ہی نہ گئی ہو۔"

"ضرور یہی بات ہے جمشید۔" خان رحمان جلدی سے بولے۔

"اس کا دوست بھی بے ضرر سا آدمی ثابت ہوا۔ اسلامی کتابیں لکھنے والا۔" فرزانہ بولی۔

"اب ہمیں خالد محمود کا گھر بھی دیکھ لینا چاہیے۔ اور یہ بھی کہ وہ راجا اشرف کی کوٹھی سے گھر پہنچ چکا ہے یا نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ابھی تک اس کیس کا سر پیر نظر نہیں آیا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"مجھے تو آج تک کسی کیس کا سر پیر نظر آیا ہی نہیں۔ اس سر پیر محسوس کیا جا سکتا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"عقل کی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔" محمود مسکرایا۔

"اور وہ فاروق کے پاس ہیں نہیں۔" فرزانہ فوراً بولی۔

"یہ غلط اندازہ لگانے کی ہمت تمھیں کس طرح ہوئی۔" فاروق

کے لہجے میں حیرت تھی۔

"غلط ہوگا تمہارے نزدیک۔ میں تو اسے سو فی صد درست خیال کرتی ہوں"

"بات ہو رہی تھی سر پیر کی۔ سر پیر کو محسوس کیا جائے یا دیکھا جائے۔ اس بحث میں پڑنے کی بجائے کیوں نہ ہم سر پیر پر بات کر لیں" محمود تنگ آ گیا۔

"یہ کام تم ہی کیوں نہیں کرتے" فرزانہ بولی۔

"اوکے۔ میں بتاتا ہوں۔ کیس صرف اتنا سا ہے کہ کسی نامعلوم آدمی نے ہمیں اور انکل کو ایک ایک وی سی آر سیٹ ارسال کیا ہے۔ پیکٹوں پر راجا اشرف بھائی سونے والے کا نام تھا۔ لیکن ان کا بیان ہے، پیکٹ انھوں نے نہیں بھیجے۔ ان کے سیکرٹری کا بیان ہے کہ پیکٹ انھوں نے راجا اشرف کی ہدایت پر بھجوائے تھے۔ لہٰذا ہمارے پاس اس وقت تک جڑ کا آدمی خالد محمود ہے، کیوں کہ بہرحال پیکٹ اسی نے بھجوائے تھے۔"

"ہاں محمود۔ میں اس خیال سے اتفاق کرتا ہوں" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن درمیان میں کود پڑا۔ فائر۔ آخر ہم پر کسی کو فائر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہ تو خیر کوئی پرانی دشمنی کا معاملہ بھی ہو سکتا ہے۔ ہمارے دو چار دشمن تو ہیں نہیں۔ اَن گنت ہیں" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"لیکن بہرحال۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ فائر بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہو" خان رحمان بولے۔

"ہاں! اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا" پروفیسر داؤد نے ان کی تائید کی۔

"مشکل یہ ہے کہ نیلی کار پر میری مسلسل نظر رہی ہے۔ وہ کسی مقام پر بھی ہماری نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی تھی۔ اور نہ اس میں سے کوئی چیز پھینکی گئی۔ اور کار میں سے ہمیں پستول ملا نہیں" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہو سکتا ہے۔ فائر کسی اور کار سے کیا گیا ہو" خان رحمان نے خیال ظاہر کیا۔

"ہرگز نہیں۔ اس وقت نہ آگے کوئی کار تھی نہ پیچھے۔ سوائے اس نیلی کار کے۔ وہ بھی یک دم پیچھے سے نمودار ہوئی تھی۔ اور فائر کرتے ہوئے آگے نکل گئی تھی۔ اس وقت آگے یا پیچھے کوئی اور کار ہوتی تو یہ بات سوچی جا سکتی تھی۔"

"تب پھر صرف اور صرف ایک ہی بات ہو سکتی ہے"

فرزانہ نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔
"چلو اچھا ہی ہے۔ اگر دو باتیں ہو سکتیں تو بھی الجھن پیدا ہوتی" فاروق خوش ہو کر بولا۔
"بھئی پہلے سُن تو لو۔ وہ کیا بات ہے" خان رحمان نے منہ بنایا۔
"اوہاں! یہ تو میں بھول ہی گیا" فاروق بولا۔
"کیا بھول گئے۔ میرے خیال میں تو تم کچھ نہیں بھولے" محمود بھنّا اُٹھا۔
"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔ کہ میں کچھ نہیں بھولا۔ تم میرے ذہن میں تو نہیں جھانک سکتے" فاروق نے تلملا کر کہا۔
"جھانکنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ وہاں رکھا ہی کیا ہے" فرزانہ مسکرائی۔
"کمزور نظر والوں کو واقعی کچھ نظر نہیں آئے گا" فاروق مسکرایا۔
"وہ بات درمیان میں رہ گئی" انسپکٹر جمشید نے قدرے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔
"یہ حضرت بتانے بھی دیں نا" فرزانہ نے فاروق کو گھورا۔

"اب میں کیا کر رہا ہوں" وہ تنک کر بولا۔
"میں کہہ رہی تھی۔ صرف اور صرف ایک ہی بات ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ اس کار میں کوئی خفیہ خانہ تھا۔ وہ پستول اس خفیہ خانے میں رکھ دیا گیا ہو گا"
"خوب! میں خود اسی نتیجے پر پہنچا ہوں" انسپکٹر جمشید خوش ہو گئے، پھر جلدی سے بولے:
"لہٰذا آج رات تم نہایت خاموشی سے ہارون شاہ کے گھر میں داخل ہو گے اور اس کی کار کا اچھی طرح جائزہ لو گے"
"لیکن ابّا جان۔ ہارون شاہ ہمیں خاموشی سے اپنے گھر میں کیوں داخل ہونے دے گا بھلا" فاروق مسکرایا۔
"اس کے فرشتوں کو تم اطلاع ہی کیوں دیتے ہو" وہ بولے۔
"بھئی واہ۔ اب تو جمشید کے جملے سے بھی تمہارا رنگ جھلک رہا ہے" خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔
"یہ نہیں۔ خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے"
"اوہ۔ تو یہ بات ہے" پروفیسر داؤد بولے۔
"بہرحال۔ آج رات۔ تم تینوں کو یہ کام ضرور کرنا ہے کیوں کہ اگر تم نے کار میں کوئی خفیہ خانہ تلاش کر لیا تو پھر ہم ہارون شاہ سے بہت کچھ اگلوا سکیں گے"

"اور ہم یہ کام ضرور کریں گے ابا جان۔" محمود نے پُر جوش انداز میں کہا۔ اور فاروق کا منہ بن گیا۔

"کیوں ۔ تمھیں کیا ہوا ؟" فرزانہ مسکرائی۔

"میں جانتا ہوں ۔ یہ اتنے پُر جوش انداز میں کیوں کہہ رہے ہیں۔"

"کیا جانتے ہو ؟" خان رحمان جلدی سے بولے۔

"کوئی اوٹ پٹانگ بات ہی جانتے ہوں گے۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"آخر تم ہر ایک کو اپنے جیسا کیوں سمجھتی ہو۔" فاروق تلملا کر بولا۔

"بس بھئی ۔ ہم شاملی روڈ پر پہنچ چکے ہیں اور ہمارے سامنے کوٹھی نمبر ایک سو تیس ہی ہے۔"

"یعنی خالد محمود کی کوٹھی۔" محمود بولا۔

"ہاں !" انھوں نے کہا اور کار روک دی۔

نیچے آ کر محمود نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا ۔ جلد ہی ایک ملازم نے گیٹ کھولا :

"مسٹر خالد محمود گھر میں ہیں۔"

"جی ہاں ! تشریف رکھتے ہیں۔"

"یہ میرا کارڈ ان تک پہنچا دیں۔"

"جی بہتر ۔ آپ ان کرسیوں پر تشریف رکھیں۔" اس نے گیٹ کے ساتھ اندر کی طرف پڑی لوہے کی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"شکریہ !" وہ بولے اور اندر آ گئے۔

"ان دونوں میں سے ایک ضرور مجرم ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"کن دونوں میں سے ؟" محمود بولا۔

"راجا اشرف بھائی اور خالد محمود میں سے۔"

"ہاں ! یہ تو ہے ۔ اور اسی لیے تو ہم یہاں آئے ہیں۔"

جلد ہی ملازم آتا نظر آیا۔

"آئیے جناب ۔ وہ ڈرائنگ روم میں آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"شکریہ !" وہ ایک ساتھ بولے۔

ڈرائنگ روم میں خالد محمود سوچ میں گم نظر آیا ۔ ان کے اندر داخل ہونے پر وہ چونک کر اٹھا اور بولا :

"تشریف لائیے ۔ اس قدر جلد دوبارہ ملاقات پر مجھے حیرت ہے۔"

"جب کہ حیرت کی بات تو کوئی نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"ایسے کہ آپ نے بہت حیرت انگیز انداز میں ملازمت

چھوڑی ہے۔"

"میں ایسی ملازمت پر لعنت بھیجتا ہوں۔"

"لیکن بہرحال۔ ہمارے لیے یہ ایک بہت عجیب واقعہ ہے۔ اس لیے ہم نے سوچا۔ آپ سے آپ کے گھر پر ملاقات کر لی جائے۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے۔" اس نے کہا۔

"آپ کا بیان ہے۔ وی سی آر ہم دونوں گھرانوں کو بھیجنے کی ہدایت راجا اشرف بھائی نے دی تھی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں بالکل۔ اس میں کوئی شک نہیں۔"

"کیا راجا اشرف پہلے بھی ایسی ہدایت دے چکے ہیں، آپ کو؟"

"نہ جانے کتنی مرتبہ۔ انھوں نے اپنے کچھ دوستوں کو اسی طرح وی سی آر بھجوائے ہیں۔"

"ہوں! ان کے نام پتے بتا سکتے ہیں آپ؟"

"جی نہیں۔ شوروم سے آپ کو نام پتے مل سکتے ہیں۔"

"وہاں سے ہم حاصل کر چکے ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"اوہو اچھا۔" اس کے منہ سے نکلا۔ جیسے اسے یہ سُن کر حیرت ہوئی ہو۔

"آپ کب سے راجا اشرف کی ملازمت میں تھے؟"

"تقریباً پانچ ماہ سے۔"

"اور وہ آپ پر پوری طرح اعتماد کرتے تھے؟"

"ہاں بالکل۔ شوروم کا انتظام میرے ہی ہاتھ میں تھا۔"

"گویا آپ چاہتے تو راجا اشرف کے علم میں بات لائے بغیر بہت سے لوگوں کو وی سی آر بھجوا سکتے تھے۔"

"جج۔ جی۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" وہ گڑبڑا گیا۔

"میرے سوال کا جواب دیں۔ کیا آپ اپنے طور پر راجا اشرف کو بتائے بغیر وی سی آر سیٹ بھیج سکتے تھے؟"

"ہاں۔" اس نے فکرمند ہو کر کہا۔

"اور راجا اشرف کو اس بات کا بالکل پتا نہ چلتا۔ کیوں ٹھیک ہے یا نہیں؟"

"بالکل ٹھیک۔ وہ بے تحاشا دولت مند ہیں۔ حسابات چیک نہیں کرتے۔ میں یا شوروم کا انچارج شرافت بیگ چاہتے تو بے شمار بے ایمانیاں کر سکتے تھے۔ کم از کم میں نے ایسی کوئی بے ایمانی نہیں کی۔" اس نے روانی کے عالم میں کہا۔

"خوب۔ اگر یہ یقین کر لیا جائے کہ وی سی آر راجا اشرف ہی بھجواتے رہے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کرنے کی انھیں کیا ضرورت تھی؟"

"م۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اس بات پر تو میں خود

اتنا حیران ہوں کہ بیان نہیں کر سکتا۔"

"خیر۔ آپ کسی ہارون شاہ کو جانتے ہیں؟"

"جی۔ ہارون شاہ۔ یہ نام میں آپ سے ہی سُن رہا ہوں۔"
اس نے کہا۔

"شکریہ! اب ہم چلیں گے۔"

وہ ڈرائنگ روم سے باہر نکلے ہی تھے کہ ایک عجیب بات ہوئی—

عجیب دورہ

اور وہ عجیب بات یہ ہوئی کہ فرزانہ تڑ سے گری اور بے ہوش ہو گئی—

"ارے ارے۔ فرزانہ۔" محمود بوکھلا کر اس پر جھکا۔

"پھر وہی دورہ۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"جی۔ دورہ۔ انھیں دورہ پڑتا ہے؟"

"ہاں۔ اس قسم کا دورہ اکثر پڑتا ہے۔ مہربانی فرما کر ایک گلاس پانی تو منگوا دیں۔"

"میں خود لاتا ہوں۔" خالد محمود نے کہا اور دوڑ لگا دی—

اس کے جانے کے بعد فرزانہ نے آنکھیں کھول دیں۔

"ہمیں اس کوٹھی کی تلاشی لینا ہو گی۔ میں نے ایک عجیب سی آواز سُنی تھی۔ اس آواز کو سُن کر خالد محمود کا رنگ اُڑتا بھی میں نے محسوس کیا تھا، لیکن پھر فوراً ہی اس نے خود پر قابو پا لیا۔"

"رنگ کا اڑنا میں نے بھی محسوس کیا تھا، لیکن میں نے یہ خیال کیا تھا کہ ایسا میرے سوال کی وجہ سے ہوا ہے۔"

"جی نہیں — آواز بہت۔"

اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز پھر گونجی اور فرزانہ دوبارہ بے ہوش ہو گئی۔ انسپکٹر جمشید نے پانی کا گلاس اس کے ہاتھ سے لیا اور اس کے چہرے پر چھینٹے مارے، لیکن فرزانہ ٹس سے مس نہ ہوئی—

"ڈاکٹر کو فون کرنا ہوگا۔"

"ادھر فون رکھا ہے۔ آپ انھیں اٹھا کر صوفے پر لٹا دیں۔ میں ابھی آتا ہوں۔" اس نے بے قراری کے عالم میں کہا۔

"آپ — آپ کہاں چل دیے۔" انسپکٹر جمشید نے پریشانی کا اظہار کیا اور فون کی طرف بڑھے۔

"بس — میں بس ایک منٹ میں آیا۔" اس نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا چلا گیا۔

فوراً ہی محمود حرکت میں آیا اور اس سمت میں چلا گیا۔

ابھی وہ ایک برآمدہ طے کر رہا تھا کہ ایک کمرے سے خالد محمود کی دھیمی آواز سنائی دی:

"یس ہاں — خالد محمود بول رہا ہوں۔ آپ آدھ گھنٹے بعد سلسلہ ملائیے گا — اس وقت یہاں انسپکٹر جمشید آیا ہوا ہے —

یس ہاں — آپ فکر نہ کریں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک کھٹکا سا ہوا — محمود فوراً مڑا اور دبے پاؤں وہاں سے کھسک لیا۔ ڈرائنگ روم میں فرزانہ جوں کی توں موجود تھی۔ محمود نے انسپکٹر جمشید کے قریب ہوتے ہوئے سرگوشی کی:

"فرزانہ کا خیال ٹھیک ہے۔ ہمیں یہاں کم از کم آدھ گھنٹہ گزارنا ہے۔ پیغام پھر آئے گا۔"

"ہوں! اس کا مطلب ہے----"

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔

"کیوں جناب ہوش آیا یا نہیں؟"

"جی ابھی نہیں۔ یہ دورہ بڑا عجیب ہے۔ ڈاکٹر کے بغیر اس کا اثر دور نہیں ہوگا۔ میں نے فون کر دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب دس پندرہ منٹ تک پہنچ جائیں گے۔ بس ان کے آنے کی دیر ہے۔ یہ اٹھ کھڑی ہوگی۔ ان ہم آپ کو زحمت دینے کا سبب ضرور بن رہے ہیں۔"

"ارے نہیں — ایسی کوئی بات نہیں۔" اس نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"راجا اشرف سے پہلے آپ کس کے پاس ملازمت کیا کرتے تھے؟"

"اعظم سٹور میں۔"

"اعظم سٹور۔ وہ تو شہر کا بہت بڑا شاپنگ سنٹر ہے۔ وہاں کی ملازمت کیوں چھوڑ دی آپ نے؟"

"جی۔ وہ۔ بس۔ مالک سے ان بن ہو گئی تھی۔" اس نے جواب دیا۔

"پھر۔ یہ ملازمت کس طرح ملی؟"

"راجا اشرف کو سیکرٹری کی ضرورت تھی۔ اس نے اخبار میں اشتہار دیا تھا۔ اس کا پہلا سیکرٹری اچانک ملازمت چھوڑ گیا تھا۔"

"آپ اخبار میں اشتہار پڑھ کر ان سے ملے اور آپ کو ملازمت مل گئی۔ بغیر کسی سفارش اور ضمانت کے؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی نہیں۔ میں سفارش بھی لے کر گیا تھا۔ سفارش کرنے والے نے ہی ضمانت بھی دی تھی۔"

"اور ان کا نام؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ڈی ایس پی گل بہادر خان۔" خالد محمود نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"جی۔ کیا مطلب؟" وہ چونک اُٹھے۔

"جی ہاں! انھوں نے ہی ضمانت دی تھی۔ اور سفارش کی تھی۔"

"لیکن آپ تو ان کے سامنے ملازمت چھوڑ کر چلے آئے۔ اور انھوں نے ایک لفظ نہیں کہا۔"

"ملازمت چھوڑنے پر میں تُلا ہوا تھا۔ راجا اشرف مجھے نہیں نکال رہے تھے۔ وہ تو اس وقت آڑے آتے جب وہ مجھے ملازمت سے نکالنا چاہتے۔"

"لیکن انھوں نے آپ کو بھی تو سمجھانے کی کوشش نہیں کی۔"

"ہاں! ان کی خاموشی پر مجھے حیرت ہوئی تھی۔" اس نے کہا۔

"گل بہادر خان وہاں پہنچ کس طرح گئے تھے؟"

"میں نے ہی انھیں فون کیا تھا، کیوں کہ آپ ضد پر اڑے ہوئے تھے۔ ادھر راجا اشرف اس طرح کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔"

"لیکن جناب۔ آپ نے یہ نہیں بتایا کہ گل بہادر خان صاحب سے آپ کے تعلقات کس قسم کے ہیں؟" محمود بول اُٹھا۔

"ہمارا آبائی گاؤں ایک ہی ہے۔ اور کوئی تعلق نہیں۔ اور اپنے گاؤں والوں کا بہت لحاظ کرتے ہیں۔"

"ہوں!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

آخر دروازے کی گھنٹی بجی۔

"میں دیکھتا ہوں!" خالد محمود نے کہا۔

"نہیں جناب۔ ملازم بتا دے گا۔ آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں۔ محمود تم جا کر پتا کرو!" انسپکٹر جمشید بولے۔ اور محمود تیز تیز قدم اٹھاتا دروازے کی طرف چلا گیا۔ جلد ہی اکرام اور ڈاکٹر بخاری اس کے ساتھ آتے نظر آئے۔

"السلام علیکم۔" انھوں نے ایک ساتھ کہا۔ ان سب کو وہاں موجود دیکھ کر ان کے چہروں پر حیرت دوڑ گئی۔

"وعلیکم السلام۔ ڈاکٹر صاحب۔ فرزانہ کو دیکھیے ذرا۔ پھر پرانا دورہ پڑا ہے شاید۔"

"اوہ۔ اچھا۔"

ڈاکٹر بخاری اپنے آلات لے کر فرزانہ پر جھک گئے۔

تین منٹ بعد انھوں نے معائنہ ختم کیا اور سیدھے ہوتے ہوئے بولے:

"انجکشن کی ضرورت نہیں۔ انجکشن سے کیس خراب ہو سکتا ہے، ان کا خود ہوش میں آنا بہتر ہو گا۔"

"لیکن ڈاکٹر صاحب۔ اس طرح تو یہ نہ جانے کب ہوش میں آئے۔ اور ہم اس وقت مسٹر خالد محمود پر بوجھ بنے ہوئے

ہیں۔"

"نہیں جناب۔ بوجھ کیسا۔" خالد محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

اکرام اور ڈاکٹر بخاری بھی صوفوں پر بیٹھ گئے۔

ٹھیک آدھ گھنٹے بعد خالد محمود بے چینی کے عالم میں اٹھا:

"تو۔ میں آپ لوگوں کے لیے چائے بنا لاؤں۔"

"آپ خود بنائیں گے۔ ملازم جو ہے گھر میں۔ اور کیا دوسرے افراد نہیں ہیں۔"

"چائے میں بہت مزے دار بناتا ہوں۔ گھر کے افراد آج ایک شادی میں گئے ہوئے ہیں۔"

"اور ہمیں چائے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ تکلیف نہ کریں۔"

"نہیں۔ اس میں تکلیف کی کیا بات ہے!" اس نے کہا اور اٹھ کر دروازے کی طرف چلا۔

"میں نے کہا۔ آپ تکلیف نہ کریں۔"

"جی نہیں۔ میں آپ کو چائے ضرور پلاؤں گا۔" اس نے زور دار آواز میں کہا اور تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔

محمود نے سوالیہ انداز میں انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرائے اور پھر فرزانہ کو ہلاتے ہوئے سرگوشی کی:

"اٹھو فرزانہ۔ محمود کے ساتھ جاؤ۔"

فرزانہ فوراً اُٹھی۔ دونوں کمرے سے نکلے اور اس کمرے کی طرف چل پڑے، لیکن کمرے کا دروازہ انھیں بند نظر آیا۔

"یہ کیا ہوا؟" محمود نے اشاروں میں کہا۔

اسی وقت پیچھے انسپکٹر جمشید اور باقی سب لوگ بھی آ گئے۔

"کیا بات ہے؟" انسپکٹر جمشید بھی اشاروں میں بولے۔

"دروازہ اس نے بند کر لیا ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے دروازے پر دباؤ ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ ان کے چہرے کھل اُٹھے۔ اور وہ دبے پاؤں اندر داخل ہو گئے۔ فرزانہ سب سے آگے تھی۔

"مسٹر خالد محمود" فرزانہ نے سرسراتی آواز میں کہا۔

وہ بُری طرح اُچھلا۔ ابھی وہ آلے کا بٹن نہیں دبا سکا تھا صرف الماری کے پٹ کھولے تھے۔ آلے میں سے ہلکی سی ٹوں ٹوں کی آواز اُبھر رہی تھی۔

"یہ۔ یہ کیا۔ یہ تو بے ہوش تھیں۔ اور۔ اور آپ لوگ یہاں کیوں آ گئے۔"

"یہاں آنے کے لیے ہی تو یہ بے ہوش ہوئی تھی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔ ان کے دائیں ہاتھ میں ایک سیاہ رنگ کا پستول تھا خالد محمود کا رنگ اُڑ گیا۔

"اس طرف ہٹ جائیے۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے پیچھے ہٹ آیا۔ انسپکٹر جمشید آگے بڑھے اور آلے کا بٹن دبا دیا۔ فوراً ہی اس میں سے آواز اُبھری:

"ہیلو خالد محمود۔ انسپکٹر جمشید چلا گیا۔"

"یس سر۔" انسپکٹر جمشید نے منہ سے خالد محمود کی آواز نکالی اور اس کی آنکھیں اور بھی پھیل گئیں۔

"کون۔ خالد محمود۔ یہ تم بول رہے ہو۔"

"یس باس۔" انسپکٹر جمشید کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا، ان کے منہ سے باس کی بجائے سر نکل گیا تھا۔

"کوڈ ورڈ دہراؤ۔"

"سوری۔ مجھے کوڈ ورڈ معلوم نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تو تم انسپکٹر جمشید ہو؟"

"ہاں! تمھارا کیا نام ہے؟"

"تم نہیں جان سکو گے۔"

"کیوں۔ تمھارا نام تو میں خالد محمود سے معلوم کر لوں گا۔"

"اس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں۔"

"خیر۔ دیکھا جائے گا۔ یہ تم کر کیا رہے ہو۔"

"یہ بھی نہیں بتا سکتا۔"

"تمھاری آواز مجھے جانی پہچانی سی لگ رہی ہے۔ شاید میں

سُن چکا ہوں": انسپکٹر جمشید اُلجھن کے عالم میں بولے۔
"سُن چکے ہو تو میرا سُراغ لگا لو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی آواز بند ہو گئی۔ بٹن آف کر کے وہ اکرام کی طرف مُڑے۔

"اس آلے کو قبضے میں لے لو۔ ماہرین ہمیں بتا سکتے ہیں کہ یہ کون سے ملک کا تیار کردہ ہے، کیوں کہ شاید جس ملک کا یہ ہے۔ اسی ملک کے ایجنٹ مسٹر خالد محمود ہوں": انسپکٹر جمشید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ن۔ نہیں۔ نہیں": وہ چلا اُٹھا۔

"تو پھر۔ یہ سب کیا ہے۔ اس آلے پر کون تم سے بات کر رہا تھا؟"

"افسوس۔ میں اس کا نام نہیں جانتا": اس نے تھرتھراتی آواز میں کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ایسے کہ اس نے گم نام انداز سے مجھے مُلازم رکھا تھا۔ یہ بہت دن پہلے کی بات ہے۔"

"میں یہ کہانی ضرور سنوں گا۔ اگر جھوٹ بولو گے تو بھانپ لوں گا۔ یاد رکھو۔ میں اس کا ماہر ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں بالکل جھوٹ نہیں بولوں گا": اس نے کہا اور

پھر چند سیکنڈ رُک کر کہنے لگا:

"تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد میں بے کار پھر رہا تھا۔ کہ مجھے ایک خط ملا۔ اس پر بھیجنے والے کا نام اور پتا نہیں تھا۔ خط کے الفاظ یہ تھے۔ اگر تم ملازمت کرنا چاہتے ہو تو ایک بہت اچھی مُلازمت تمہیں مل سکتی ہے۔ اتنی اچھی کہ تم نے خواب میں بھی کبھی نہیں سوچا ہوگا۔ اگر تیار ہو تو صبح سویرے پانچ بجے نیشنل پارک میں پہنچ جانا۔ نو بجے تک میرا انتظار کرنا۔ اگر میں نہ آ سکا تو پھر بذریعہ خط بات کروں گا۔ میں نیشنل پارک پہنچ گیا۔ وہ نو بجے تک نہ آیا۔ دوسرے دن پھر اس کا خط ملا۔ اس میں لکھا تھا۔ میں پارک میں نہیں آ سکا۔ بہر حال تمہارے وہاں پہنچ جانے کی اطلاع مجھے مل گئی تھی۔ لہٰذا تم آج سے میرے ملازم ہو اور تمہیں دس ہزار روپے ماہانہ تنخواہ ملے گی۔ یہ خط پڑھ کر میں حیران رہ گیا۔ یقین نہ آ سکا۔ خط میں یہ بھی نہیں لکھا تھا کہ مجھے ڈیوٹی ادا کرنے کے لیے کہاں جانا ہوگا کیا کرنا ہوگا۔ پھر اس کا کوئی خط بھی نہ ملا۔ میں انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے یقین ہو گیا یہ ضرور کسی کا مذاق تھا۔ ٹھیک ایک ماہ بعد پھر اس کا خط ملا۔ لکھا تھا۔ بلال روڈ کے پبلک فون بوتھ کے اندر

کل صبح پانچ بجے دس ہزار روپے کا پیکٹ موجود ہو گا۔ جا کر اُٹھا لانا۔ یہ تمھاری پہلی تنخواہ ہے۔ میں حیران رہ گیا۔ پھر خیال آیا کہ کوئی مجھ سے مذاق کر رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں اس فون بوتھ تک گیا۔ اور ٹھیک پانچ بجے پہنچا۔ اِدھر اُدھر کوئی نہیں تھا۔ اندر داخل ہوا تو سامنے ہی دس ہزار روپے کا پیکٹ رکھا تھا۔ میں حیران رہ گیا۔ پیکٹ اٹھا کر باہر نکلا۔ چوروں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھا۔ دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ آخر گھر چلا آیا۔ مارے حیرت کے بُرا حال تھا۔ دُوسرے مہینے پھر یہی ہوا، پھر ایک روز اس کا خط ملا۔ لکھا تھا۔ اعظم سٹور کے مالک سے جا کر ملو۔ اسے ایک آدمی کی ضرورت ہے۔ اس کے ہاں ملازمت کرو۔

میں وہاں گیا۔ بہت آسانی سے ملازمت مل گئی، پھر ایک دن اس کا خط ملا۔ لکھا تھا۔ تم بدستور میرے ملازم ہو۔ دس ہزار روپے ہر ماہ ملتے رہیں گے۔ یہ ملازمت تو ضرورت کے تحت دلائی گئی ہے۔ اس کے بعد ایک دن خط ملا۔ لکھا تھا۔ فلاں ماڈل کا ایک وی سی آر اپنے آرڈر سے فلاں شخص کو بھجوا دو۔ رجسٹرڈ پیکٹ کی صورت میں۔

پھر اس کے اس قسم کے احکامات ملتے ہی رہے۔ یہاں

تک کہ ایک دن اعظم سٹور کے مالک کو پتا چل گیا اور مجھے وہاں سے بھاگنا پڑا۔ بھاگنے کا اشارا بھی اسی کی طرف سے ملا تھا۔ پھر کچھ دن بعد اس نے مجھے راجا اشرف بھائی کے ہاں ملازمت حاصل کرنے کا حکم دیا۔ یہاں بھی ملازمت فوراً مل گئی۔"

"گل بہادر خان کی سفارش سے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"نہیں۔ اس وقت میں نے ان کا نام یوں ہی لے دیا تھا، گل بہادر خان تو دراصل راجا اشرف کے دوست ہیں۔ اور اس وقت انھوں نے آپ کے مقابلے میں اپنی مدد کے لیے انھیں فون کر کے بلایا تھا۔ یہ خیال انھیں میں نے ہی دلایا تھا کہ انسپکٹر جمشید نہ جانے کیوں آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا آپ اپنے دوست گل بہادر خان کو بُلا لیں، چنانچہ انھوں نے بُلا لیا۔ اِدھر مجھے اس کی طرف سے اشارا ملا کہ اب اس ملازمت کو بھی چھوڑ دوں۔ یہی وجہ تھی کہ میں ملازمت چھوڑنے پر تُل گیا۔ یہ ہے کُل کہانی۔"

"اس کے خطوط کہاں ہیں؟"

"وہ سب میرے پاس محفوظ ہیں۔ لیکن وہ ٹائپ شدہ ہیں۔ گھر کے اندر پڑے ملا کرتے تھے۔ ان سے بھی آپ کچھ معلوم نہیں کر سکتے۔"

"یہ تمھارا خیال ہے۔ میرا نہیں۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"ہو سکتا ہے۔ میں ان خطوط سے کچھ معلوم کر سکوں۔"

"میں ابھی نکالے دیتا ہوں۔" اس نے کہا اور ایک تجوری میں سے خطوط نکال کر ان کی طرف بڑھا دیے۔

"اور یہ کوٹھی۔ کیا یہ کرائے کی ہے؟"

"ہاں! اس نے کہا تھا کہ اب میں ایک پرانے اور خستہ کرائے کے مکان کی بجائے ایک شان دار کوٹھی کرائے پر لے کر رہوں، کیوں کہ بڑے بڑے آدمیوں کی ملازمتیں کرنا پڑیں گی۔"

"اس نے دونوں ملازمتوں کے دوران صرف یہی کام لیا ہے۔ یعنی اِدھر اُدھر وی سی آر بھجوائے ہیں اور بس۔" محمود کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"جی ہاں۔ بس۔" اس نے کہا۔

"حیرت ہے۔ آخر اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اس سے زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ وہ کون ہے، کیوں کہ اس کے کام کرنے کا انداز بہت پُر اسرار ہے۔ اس کا سُراغ لگانا واقعی بہت مُشکل کام ہوگا۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"اب مسٹر خالد محمود کا کیا کرنا ہے؟" اکرام نے پوچھا۔

"انھیں سرکاری مہمان خانے لے کر چلنا ہوگا۔" وہ بولے۔

"وہ نا معلوم آدمی اپنا کام جاری رکھنے کے لیے کوئی اور آدمی تلاش کرے گا۔"

"ویسے مجھے تو یہ باس احمق آدمی معلوم ہوتا ہے۔" فاروق بول اُٹھا۔

"وہ کیسے؟" فرزانہ حیران ہو کر بولی۔

"دیکھو نا۔ آخر اسے اتنا لمبا چکر چلانے کی کیا ضرورت تھی۔ دس ہزار روپے ماہوار تنخواہ خالد محمود کو دینے کی کیا پڑی تھی۔ وہ بازار سے وی سی آر خرید کر ان لوگوں کو بھیج سکتا تھا۔"

"کیوں مسٹر خالد۔ ایک ماہ میں تم کتنے وی سی آر بھیج دیتے ہوگے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کم از کم دو یا تین۔"

"اور اس ماڈل کے تین وی سی آر کتنے کے بنتے ہیں؟"

"جی ساٹھ ہزار روپے کے۔" اس نے کہا۔

"کیوں فاروق۔ وہ احمق ہے یا تم؟" فرزانہ بولی۔

"اوہ!" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"اس اوہ کا مطلب ہے۔ تمھیں اپنی بے وقوفی کا اعتراف ہے۔"

"ہاں! وہ دس ہزار روپے دے کر ساٹھ ہزار روپے کے وی سی آر بکوا رہا ہے۔ گویا خالد محمود کو ملازم رکھے بغیر اگر خرید کر بکواتا تو اسے ہر ماہ چالیس یا ساٹھ ہزار روپے خرچ کرنا پڑتے۔"

"واقعی۔" فرزاد کے منہ سے نکلا۔

"اب میری بے چینی بڑھتی جا رہی ہے۔ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔" محمود بولا۔

"اس سے ملاقات ہونے پر پوچھ لینا۔"

"اوہو۔ ہم ایک بہت اہم بات نظر انداز کر رہے ہیں۔" ایسے میں فرزاد کی چونکا دینے والی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

ذرا سی مٹی

ان کا رُخ فرزاد کی طرف ہو گیا۔

"ہاں تو پُر اسرار صاحب۔ ہم کیا اہم بات بھول رہے ہیں؟"

"خالد محمود کے بیان کی روشنی میں یہ اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے کہ راجا اشرف بھائی سے کسی نے اس کی سفارش ضرور کی تھی۔ ضمانت بھی لی ہو گی۔ اور ہم راجا اشرف سے اس آدمی کا نام معلوم کر سکتے ہیں۔"

"ویری گڈ!" انسپکٹر جمشید چلّا اُٹھے۔

"دھت "تیرے کی"۔ ہر بار یہی ویری گڈ لے جاتی ہے۔" محمود نے جھلّا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"نہ جانے اتنے ویری گڈوں کا کیا کرے گی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"جلنے کے معاملے میں اب تم دونوں میرے بھی کان

کاٹنے لگے ہو۔" فرزانہ مسکرائی۔

"میرا خیال ہے۔ ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ فوراً راجا اشرف بھائی کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔ سفارش کرنے والا ہی وہ شخص پُر اسرار شخص ہے جس نے خالد محمود کو پُر اسرار طریقے سے ملازم رکھا اور پھر اس کے ذریعے سے وی سی آر بھجوائے۔" انسپکٹر جمشید نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

"بالکل ٹھیک۔" خان رحمان بولے۔

ان کی کار گویا ہوا میں اُڑنے لگی۔ جلد ہی وہ راجا اشرف کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے۔ گیٹ پر ابھی تک وہی چوکیدار تھا۔ انہیں دیکھ کر چونک اُٹھا۔

"ہمیں فوری طور پر راجا اشرف بھائی سے ملنا ہے۔ بہت ہی ضروری کام ہے۔"

"م۔ میں انہیں اطلاع کرتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے، لیکن ذرا جلدی کریں۔"

وہ سر ہلاتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا۔ پھر نمبر ڈائل کرنے کی آواز سُنائی دی۔ آخر وہ ان کی طرف آتا نظر آیا۔

"وہ فون کا ریسیور نہیں اُٹھا رہے۔ کہیں باتھ روم میں نہ ہوں۔"

"تب پھر۔ مہربانی فرما کر اندر جا کر اطلاع دے آئیں۔"

"مجھے حکم ہے کہ دروازہ نہ چھوڑوں۔" اس نے ہکلا کر کہا۔

"تب پھر ہمیں اندر جانے کی اجازت دیں۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

اور وہ اندر داخل ہو گئے۔ تیز تیز قدم اُٹھاتے راجا اشرف کے کمرے تک پہنچے۔ کمرے کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا اور راجا اشرف بستر پر لیٹے گہری نیند سو رہے تھے۔ ان کے بستر کے قریب ہی تپائی پر فون رکھا تھا۔

"تم لوگ باہر ہی ٹھہرو۔" انسپکٹر جمشید نے ہاتھ پھیلا کر انہیں روکتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ کیا یہ جاگتے ہی ہمیں کاٹ کھائیں گے۔"

"نہیں! میرا خیال ہے۔ یہ کسی کو کاٹنے کے قابل نہیں رہے۔" انہوں نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"جی کیا مطلب؟"

"یہ مر چکے ہیں۔"

"کیا!" ان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں۔ انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔"

"اوہ نہیں۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

"ہاں! تاکہ ہم ان سے اس سفارش کرنے والے کا نام نہ پوچھ سکیں۔"

"اوہ - تب تو وقت نہیں ضائع کرنا چاہیے۔" محمود نے فوراً کہا -

"کیا مطلب؟" فاروق اور فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"ہاں محمود - تم ٹھیک کہتے ہو - ہمیں وقت نہیں ضائع کرنا چاہیے - لیکن میں پہلے ذرا اپنا اطمینان کر لوں - شاید ان میں کچھ سانس باقی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ احتیاط سے آگے بڑھے - اور بستر تک پہنچ گئے - دل کی حرکت محسوس کی اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے ان کی طرف مڑے :

"نہیں - ختم ہو چکے ہیں۔"

"اور کیا قتل کے آثار موجود ہیں -" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا -

انسپکٹر جمشید نے کوئی جواب دیے بغیر ان کے جسم پر سے چادر اُلٹ دی - دوسرے ہی لمحے ان کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا - سارا بستر خون آلود تھا - انھیں خنجر کے پے در پے وار کر کے ہلاک کیا گیا تھا -

"اُف مالک۔"

"اب واقعی ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

وہ تیز تیز چلتے باہر آ گئے - اکرام کو فون کیا - فون پر ان کے الفاظ چوکیدار نے بھی سُن لیے :

"یہ - یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب - راجا صاحب کو قتل کر دیا گیا ہے؟"

"ہاں بھئی - لیکن تم اندر نہ جانا - جب تک کہ میرا عملہ نہ آ جائے - اس طرح ہمیں ثبوت حاصل کرنے میں آسانی ہو گی۔"

اکرام کو ہدایات دینے کے بعد وہ کار میں اعظم سٹور کے مالک اعظم کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوئے - بیس منٹ بعد اس کی کوٹھی انھیں مل گئی - گھنٹی کے جواب میں ایک ملازم باہر آیا :

"ہمیں مسٹر اعظم سے ملنا ہے۔"

"آپ کا نام؟"

"انسپکٹر جمشید۔" انھوں نے کہا -

"تشریف لائیے - میں انھیں اطلاع کرتا ہوں۔"

انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر ملازم چلا گیا ، لیکن پھر دوڑتے قدموں کی آواز نے انھیں چونکا دیا -

"اوہو - شاید یہاں بھی وہ کام دکھا گیا!" انسپکٹر جمشید جلدی

سے اُٹھ کر دروازے کی طرف چلے۔ اسی وقت ملازم اندھادھند دروازے میں داخل ہوا۔ دونوں بُری طرح ٹکرائے :

"اوہ۔ معاف کیجیے گا جناب۔ وُہ۔ وُہ سیٹھ صاحب ۔"

اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوف تھا۔ سانس بہت تیز چل رہا تھا۔

"کیا ہوا انھیں ؟"

"وُہ۔وُہ۔ انھیں کسی نے قتل کر دیا ہے۔"

"اوہ !" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہمیں وہاں تک لے چلیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ اس کے ساتھ کمرۂ واردات میں آئے۔ کمرے کے فرش پر ایک صحت مند آدمی کی لاش پڑی تھی۔ اس کے سینے میں خنجر کے کئی زخم تھے۔

"حیرت ہے۔تم نے ان کی کوئی چیخ نہیں سُنی ؟"

"یہ اونچی آواز میں ریڈیو سننے کے عادی تھے۔ پوری آواز میں ریڈیو بج رہا تھا۔ میں باورچی خانے میں تھا۔ چیخ کس طرح سُنتا ۔"

"باقی لوگ کہاں ہیں ؟"

"سیٹھ صاحب اس دُنیا میں اکیلے ہیں۔"

"اوہ ۔" ان سب کے منہ سے نکلا۔

انسپکٹر جمشید نے فون پر اکرام سے رابطہ قائم کیا ، لیکن وُہ

اس وقت تک دفتر سے روانہ ہو چکا تھا ؛ چنانچہ محمد حسین آزاد کو ہدایات دیں ، پھر راجا اشرف کے نمبر گھمائے۔ اکرام ابھی وہاں نہیں پہنچا تھا۔ انھوں نے رسیور رکھ دیا اور بولے :

"اب ہم ذرا اس کمرے کا بغور جائزہ لیں گے ، لیکن پہلے تم بتاؤ۔ تمھارا نام کیا ہے ؟"

"مَیں عرفان ہوں ۔"

"کب سے اعظم صاحب کے پاس ملازم ہو ؟"

"جی کئی سال سے ۔"

"آج تم نے انھیں کس وقت زندہ دیکھا تھا ؟"

"دو گھنٹے پہلے انھوں نے ریڈیو بند کر کے مجھ کو آواز دی تھی۔ اور کافی بنانے کو کہا تھا۔ یہ کافی کے بہت شوقین تھے۔ وقت بے وقت کافی پیتے رہتے تھے۔ مَیں کافی بنانے کے لیے باورچی خانے میں گیا۔ انھوں نے ریڈیو پھر کھول لیا۔ کافی بنانے کے بعد مَیں نے ٹرے ان کے سامنے رکھ دی اور خود شام کا کھانا تیار کرنے باورچی خانے میں آ گیا۔ اس کے بعد مَیں نے انھیں مُردہ حالت میں دیکھا۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کوئی شخص ان سے اس دوران ملاقات کرنے نہیں آیا۔ یعنی کافی ان کے سامنے رکھنے کے بعد ؟"

"جی نہیں۔ کوئی ملنے نہیں آیا۔ بس آپ لوگ آئے ہیں۔"

گھنٹی کی آواز سن کر میں دروازے پر پہنچا۔ دروازہ حسبِ دستور اندر
سے بند تھا۔"

"اس کا مطلب ہے۔ قاتل کسی اور راستے سے اندر داخل ہوا
تھا۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے، پھر ان کی طرف مڑے،
"تم لوگ کوٹھی کا جائزہ لو اور معلوم کرو۔ قاتل کس طرح اندر
آیا اور کس طرح گیا۔"

"جی بہتر!" تینوں بولے اور وہاں سے چلے گئے۔

اب وہ لاش کی طرف متوجہ ہوئے۔ قتل بے دردی سے
کیا گیا تھا۔ لاش قالین پر چت پڑی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر
پھیل گئے تھے۔ کمرے میں خنجر کہیں نہیں تھا۔ قالین بری
طرح خون آلود ہو چکا تھا۔ وہ کمرے کے فرش اور قالین کو
بغور دیکھنے لگے۔ پھر ایک جگہ ان کی نظریں رک گئیں۔ اسی
وقت قدموں کی آواز ابھری۔

*

محمود، فاروق اور فرزانہ اندر داخل ہوئے۔

"ہاں بھئی۔ کیا معلوم ہوا؟"

"قاتل کے لیے اندر داخل ہونا بہت آسان تھا۔ کوٹھی

کے دائیں طرف ایک پائیں باغ ہے۔ باغ کی طرف کئی کمروں
کی کھڑکیاں کھلتی ہیں اور ان میں سے دو کھڑکیاں اس وقت
بھی کھلی ہوئی ہیں۔ وہ ان میں سے کسی ایک سے اندر داخل
ہوا۔ پوری آواز سے بجنے والے ریڈیو نے اس کی مدد کی۔
اس نے اپنا کام کیا اور کھڑکی کے ذریعے سے ہی واپس چلا
گیا۔"

"ہوں! گویا بیرونی گیٹ اس وقت بھی بند تھا۔ جس
طرح ہماری آمد کے وقت ہمیں بند ملا تھا؟"

"جی ہاں!"

"خیر۔ معلوم ہو گیا کہ قاتل اندر کس طرح داخل ہوا اور
کس طرح واپس گیا۔ کام اس نے خنجر سے لیا، لیکن خنجر
یہاں نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے۔ خنجر وہ ساتھ لے گیا،
وہ پیدل تو ہو گا نہیں۔ ضرور کسی کار پر آیا ہو گا۔
کار اس نے کوٹھی کے باہر ہی کھڑی کی ہو گی۔ تاکہ واپسی
میں دیر نہ لگے۔ گویا اس کے لیے یہ کام آسان تھا۔ ایک
بات ضرور ہے۔ کیا اس نے کوٹھی کو اندر سے دیکھا ہوا تھا کہ فوراً
بیٹھک تک پہنچ گیا؟"

"ہو سکتا ہے یہی بات ہو۔" فرزانہ بولی۔

"آپ کو کوئی کام کی چیز ملی ابا جان؟"

"آلۂ قتل وہ ساتھ لے گیا ہے۔ کمرے کی کسی چیز کو اس نے شاید ہی ہاتھ لگایا ہو، کیوں کہ وہ کوئی اناڑی قاتل معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ اس کے جوتوں کے نشان ضرور فرش اور قالین پر موجود ہیں۔"

"اوہ ہاں۔ یہ رہے۔" محمود نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"لیکن اب تک اس نے ان جوتوں سے نجات حاصل کر لی ہو گی۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"کوئی بات نہیں۔ ہم ان نشانات سے جوتوں کی لمبائی تو معلوم کر ہی سکتے ہیں۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں بالکل۔ اس کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے۔ جس کی طرف تم لوگوں نے دھیان نہیں دیا۔" انسپکٹر جمشید پُراسرار انداز میں بولے۔

"وہ کیا ابا جان؟" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"یہ تم خود بتاؤ گے۔ بغور کمرے کا جائزہ لو اور مجھے بتاؤ، وہ کیا چیز ہے۔"

"جی بہتر۔"

وہ کمرے کو بغور دیکھنے لگے۔ محمود ایک طرف بڑھنے ہی لگا تھا کہ انسپکٹر جمشید پکار اُٹھے:

"خیال رہے۔ مجرم کے جوتے کا کوئی نشان بھی ضائع نہ

ہونے پائے۔"

"جی بہتر۔ آپ فکر نہ کریں۔"

ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لینے کے بعد آخر تینوں ان کی طرف مڑے:

"آپ کا اشارہ اس ذرا سی مٹی کی طرف تو نہیں ہے ابا جان۔" فاروق بولا۔ ساتھ ہی اس نے فرش پر اشارہ کیا۔ وہاں جوتے کے تلے میں پھنسی تھوڑی سی مٹی برفی کے ٹکڑے کی شکل کی موجود تھی۔

"ہاں! قاتل کے جوتے کے تلے میں کٹاؤ بنے ہوئے تھے۔ کٹاؤ میں پھنسی مٹی یہاں پر گر گئی۔" وہ بولے۔

"لیکن بھلا ہم اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"کیوں۔ اٹھا کیوں نہیں سکتے۔" وہ مسکرائے۔

"آخر کیسے؟"

"بس دیکھتے جاؤ۔ ابھی ہم نے لاش کے نیچے کی جگہ کا معائنہ نہیں کیا۔ جب تک اس زاویے سے لاش کی تصاویر نہیں لے لی جاتیں۔ ہم لاش کو نہیں پلٹ سکتے۔"

آخر حوالدار محمد حسین آزاد عملے سمیت وہاں پہنچ گیا۔ انسپکٹر جمشید نے اس دوران راجا اشرف کے ٹیلی فون نمبر پر اکرام کو

فون کر کے اس نئی واردات کی اطلاع بھی دے دی تھی۔
تاکہ وُہ بھی راجا اشرف کی طرف سے فارغ ہو کر ادھر
ہی آ جائے۔

نشانات اور لاش کی تصاویر لی گئیں۔ اس کے بعد
لاش کو پلٹا گیا۔ دوسرا لمحہ چونکا دینے والا تھا۔ لاش
کے نیچے ایک سگریٹ لائٹر پڑا چمک رہا تھا۔ خون بھی
اس کی چمک کو نہیں چھپا سکا تھا۔

"محمود۔ عرفان کو یہاں لے آؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ملازم کو دوسرے کمرے میں بٹھایا گیا تھا۔ محمود جا
کر اسے لے آیا۔

"اس لائٹر کو دیکھ رہے ہو؟"

"جی۔ ہاں!" وُہ بولا۔

"کیا یہ اعظم سیٹھ کا ہے؟"

"جی نہیں۔ وُہ سگریٹ نہیں پیتے تھے اور نہ ان کے پاس
لائٹر تھا۔" اس نے بتایا۔

"ہوں! اس کا مطلب ہے۔ یہ قاتل کا ہے۔" انھوں نے
کہا۔

"چلیے۔ قاتل کے خلاف دو چیزیں مل گئیں۔ جوتے کے
نشانات اور یہ لائٹر۔" محمود خوش ہو کر بولا۔

"اور تم برفی نما مٹی کے اس ٹکڑے کو بھول گئے۔" انسپکٹر
جمشید بولے۔

"اس لیے کہ اس کی اہمیت آپ کے نزدیک ہے۔
محمود کے نزدیک نہیں!" فاروق مسکرایا۔

"اور تم نے اپنی بات نہیں کی۔"

"جو چیز ابا جان کے نزدیک اہم ہے۔ وُہ میرے نزدیک
تو غیر اہم ہو ہی نہیں سکتی۔"

اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ انھوں نے
نظریں اُٹھائیں تو اکرام چلا آ رہا تھا۔

"اُف توبہ۔ یہاں بھی ایسی ہی ایک لاش۔" اس نے آتے
ہی کہا۔

"جی ہاں انکل۔ بلکہ۔ اصل بات تو یہ ہے کہ یہ ایک ہی
آدمی کا کام ہے۔"

"ارے۔ اچھا۔" اس نے چونک کر کہا۔

"وہاں کوئی کام کی چیز ملی اکرام؟"

"جی ہاں! فرش پر جوتے کے نشانات۔ بہت صاف ہیں۔"

"اور کچھ۔"

"اور لاش کے نیچے دبا ہوا خنجر۔ اس خنجر سے قتل
کیا گیا ہے۔"

"اوہ۔ تو اُدھر خنجر موجود ہے۔ گویا اِدھر وُہ پہلے آیا تھا۔ اور خنجر ساتھ لے گیا۔ پھر اس سے راجا اشرف کا کام تمام کیا۔ اب چُوں کہ اسے خنجر کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لیے وُہ وہیں پھینک دیا۔"

"جی ہاں! ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"خنجر پر نشانات تو ہوں گے نہیں؟"

"جی نہیں۔"

"اچھا۔ ذرا جوتوں کے ان نشانات کو بغور دیکھو۔ کیا وہاں بھی اسی جوتے کے نشانات موجود ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے اس کی توجہ جوتے کے نشانات کی طرف دلائی۔

اکرام نے چند سیکنڈ تک نشانات کا جائزہ لیا۔ اور پھر پُرجوش انداز میں بولا:

"جی ہاں! بالکل ایسے ہی نشانات ہیں۔"

"چلو۔ ایک بات صاف ہو گئی۔ دونوں کا قاتل ایک ہی ہے۔ برنی نما مٹی کا ٹکڑا تو جوتے کے کسی نشان پر نظر نہیں آیا اکرام؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی۔ برنی نما مٹی کا ٹکڑا۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! یہ دیکھو۔ ایسا۔" انھوں نے اشارہ کیا۔

"اوہ نہیں۔ میں نے وہاں ایسا کوئی ٹکڑا نہیں دیکھا۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ وُہ پہلے اِدھر ہی آیا تھا۔ خیر۔ یہ معلوم ہوا۔ وُہ اندر کس طرح داخل ہوا تھا۔"

"بیرونی گیٹ کھلا ہوا تھا۔ وُہ اسی میں سے اندر داخل ہو کر کوٹھی کی پچھلی طرف آیا۔ وہاں لکڑی کی ایک سیڑھی گھریلو استعمال کے لیے رکھی تھی۔ اسی کے ذریعے چھت پر چڑھا اور پھر زینے کے ذریعے نیچے اُتر آیا۔"

"ہوں! لیکن مُلازم نے مقتول کی چیخ کیوں نہیں سُنی۔"

"اس کا کہنا ہے۔ وُہ اونچا سنتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مقتول چیخ ہی نہ سکا ہو۔"

"ہوں! خیر۔ ان دونوں وارداتوں سے اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم ان سے اس سفارشی کا نام نہ معلوم کر لیں۔ جس نے خالد محمود کو مُلازم رکھوایا تھا۔"

"جی۔ میں نہیں سمجھا۔" اکرام کے منہ سے نکلا۔

"پوری بات تمھیں بتانا ہو گی، پھر سمجھو گے۔" انھوں نے کہا اور مختصر طور پر حالات سُنا دیے۔

"اب ہمیں ضرورت ہے ایک جوتے کی۔ جس کا نشان اس جیسا ہو اور میلائی بھی اس نشان کے مطابق ہو۔ اور شاید وُہ جوتا خون آلود بھی ہو گا۔"

"قاتل نے وُہ اپنے پاس کہاں رکھا ہو گا سر؟" اکرام بولا۔

"ہاں ، یہ بھی ٹھیک ہے ، لیکن اکرام ۔ دو چیزیں اور ہیں ۔ یہ برفی نما مٹی کا ٹکڑا اور لائٹر ۔ ہم ان دو چیزوں کے ذریعے ان شاء اللہ قاتل تک پہنچ جائیں گے ۔"

"جی ۔ دیکھیے ۔ برفی نما ٹکڑا ایک عام چیز ہے ۔ کسی کے جوتے میں بھی لگ کر آ سکتا ہے ۔ جوتے کا نشان پہلے ہی غیر اہم ہے ۔ اس نے جوتے سے نجات حاصل کر لی ہو گی ۔ رہ گیا لائٹر ۔ اس لائٹر سے آپ کیا معلوم کر سکیں گے ۔ اس قسم کے لائٹر تو نہ جانے کتنے لوگوں کے پاس ہوں گے ۔"

"نہیں بھئی ۔ اس پر انگلیوں کے نشانات ضرور ہوں گے ، نہ ہوئے ، تب بھی یہ ہمارے کام آئے گا ۔ تم دیکھ لینا ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا ۔

"مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ اس شخص کو دو عدد قتل کر دینے کی کیا ضرورت تھی ۔ ہم تو اس سے صرف اتنا ہی معلوم کرنا چاہتے ہیں ۔ وہ یہ وی سی آر بھیجنے کا کھیل کیوں کھیل رہا ہے ۔"

"بھئی ان گنت باتیں ہو سکتی ہیں ۔ بہر حال ہمارے پاس ایک فہرست موجود ہے ۔ اس پر ان لوگوں کے نام درج ہیں ، جن کو اس طرح وی سی آر بھیجے گئے ۔ ان میں سے چند ایک سے ملنا ضروری خیال کرتا ہوں ۔ اکرام تم یہاں کام مکمل کراؤ ۔ میں یہ کام نمٹا لوں ۔"

"او کے سر ۔" اس نے کہا اور وہ چل پڑے ۔ فہرست پر سب سے پہلا نام انصار ابراہیم تھا ۔ اس کا گھر تلاش کرنے میں انھیں ذرا وقت نہیں ہوئی ۔ یہ کوئی کوٹھی تو نہیں تھی ، لیکن بڑا ضرور تھا ۔ گھنٹی کے جواب میں ایک ملازم نے دروازہ کھولا :

"جی فرمایئے ۔ کس سے ملنا ہے ؟"

"انصار صاحب ۔"

"وہ نماز پڑھنے گئے ہوئے ہیں ۔ چند منٹ تک آ جائیں گے ۔"

"لیکن نماز تو بہت دیر ہوئی ہو چکی ہے ۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

"جی ہاں ! انھیں آج دیر ہو گئی ۔"

"خیر ۔ ہم انتظار کر لیتے ہیں ۔"

"آیئے ۔" اس نے کہا ۔

ملازم انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلا گیا ۔ دس منٹ بعد قدموں کی آواز ابھری اور ایک ڈاڑھی والے صاحب اندر داخل ہوتے ہوئے بولے ،

"السلام علیکم ۔"

"وعلیکم السلام ۔" ان سب کے منہ سے نکلا ۔

"انصار ابراہیم۔ آپ ہی ہیں؟"

"ہاں! اور آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔ میں آپ کو پہچانتا ہوں۔"

وہ مسکرا دیے۔

"شکریہ! ہم ایک وی سی آر کے بارے میں بات کرنے آئے ہیں۔"

"جی۔ کیا کہا۔ وی سی آر۔" انصار ابراہیم نے کہا اور چہرے کا رنگ اُڑتا نظر آیا۔

"خیر تو ہے۔ آپ پریشان ہو گئے۔"

"م۔ میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

انھوں نے تیز لہجے میں کہا اور وہ دھک سے رہ گئے۔

بڑی طاقت

چند لمحے سکتے کی حالت میں گزر گئے۔ آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"یہ کیا بات ہوئی جناب؟"

"بات ہوئی ہے یا نہیں۔ میں آپ لوگوں سے کوئی بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ آپ جا سکتے ہیں۔"

"افسوس! ہم نہیں جا سکتے۔" وہ بولے۔

"جی۔ کیا فرمایا۔ نہیں جا سکتے۔"

"ہاں! اس لیے کہ اب یہ معاملہ بہت سنگین ہو گیا ہے، اس معاملے میں دو عدد قتل بھی شامل ہو چکے ہیں۔"

"قت۔ قتل۔" وہ کانپ اُٹھے۔

"ہاں قتل۔ مہربانی فرما کر وضاحت کر دیں۔ آپ کیوں بات کرنا پسند نہیں کرتے۔ چند لمحے پہلے تو آپ نے مجھے پہچان کر بہت خوش گوار انداز میں بات کی تھی۔"

"ہاں! مجھے اس وقت معلوم نہیں تھا کہ آپ وی سی آر کے بارے میں بات کرنے آئے ہیں۔" انھوں نے سرد آہ بھری۔

"کیا وہ سیٹ آپ کے پاس ہے اب تک؟"

"ہاں!" اس نے پھر آہ بھری۔

"بات کیا ہے۔ آپ بار بار سرد آہ بھر رہے ہیں؟"

"میرے بچوں نے مجھ پر بہت زور ڈالا تھا کہ میں انھیں وی سی آر لا کر دوں، لیکن میں نے ان کی ایک نہیں سنی تھی۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ چاہے کچھ ہو جائے۔ میں انھیں وی سی آر نہیں لا کر دوں گا، کیوں کہ وی سی آر ایک لعنت ہے۔ اس قدر خوف ناک لعنت کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ تو آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ خیر۔ پھر آپ کو پیکٹ کی صورت میں ایک سیٹ ملا؟"

"ہاں!" انھوں نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"اور بچوں نے اس پر قبضہ کر لیا؟"

"یہی بات ہے۔"

"لیکن اس میں ایسی کون سی بات ہے۔ جو آپ ہم سے نہیں کرنا چاہتے۔" انسپکٹر جمشید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں نے بچوں کو بہت دھمکایا۔ ڈرایا۔ کہ اسے ہاتھ نہ لگاؤ، توڑ کر پھینک دو۔ لیکن جواب میں انھوں نے کہا۔ مفت کی شراب تو قاضی کو بھی حلال ہو جاتی ہے۔ میں۔ میں کیا کروں، گھر کی بڑی طاقت بھی تو ان کے ساتھ شامل ہو گئی ہے۔ جب تک میں نے انھیں لا کر نہیں دیا تھا۔ اس وقت تک وہ سب مجبور تھے، کیوں کہ ان سب کے پاس ملا جلا کر بھی اتنے پیسے نہیں تھے، لیکن جب وہ خود بخود گھر میں آ گیا تو انھوں نے میرے خلاف ایک محاذ قائم کر لیا۔"

"آپ گھر کی کس بڑی طاقت کی بات کر رہے تھے؟" فرزانہ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"م۔ میری بیگم۔" انھوں نے کانپ کر کہا۔

"خیر۔ معلوم ہو گیا کہ اب گھر میں وی سی آر دیکھا جاتا ہے۔ آپ کی مرضی نہیں چلتی۔"

"ہاں!" انھوں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ کام کیا کرتے ہیں؟"

"م۔ میں۔ میں محکمہ خارجہ میں ملازم ہوں۔"

"یہ بات اب بھی ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ باتیں بتانے میں خوف کی کیا بات ہے؟"

"حیرت ہے۔ میں نے اپنے گھر کی باتیں آپ کو بتا دیں۔"

اور آپ اب بھی یہ کر رہے ہیں۔"

"ہاں! میں یہ کر رہا ہوں۔ خیر۔ میں بہت جلد معلوم کر لوں گا کہ آپ ہم سے کیا چھپا رہے ہیں۔" انھوں نے سرد آواز میں کہا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"کک۔ کیا مطلب۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"یہ میں اس وقت بتاؤں گا جب معاملے کی تہ تک پہنچ جاؤں گا۔"

اور وہ وہاں سے نکل آئے۔ انصار ابراہیم کو ہکا بکا چھوڑ آئے۔

"ہم لوگوں کو فوراً گھر پہنچنا ہے۔"

"کک۔ کیوں۔ ایسی کیا بات ہو گئی جمشید؟" خان رحمان ہکلائے۔

"بس بات ہو ہی گئی۔"

وہ کار میں بیٹھ کر اندھا دھند انداز میں گھر پہنچے۔ اندر داخل ہوتے ہی انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا:

"بیگم۔ وہ سیٹ کہاں ہے؟"

"کون سا سیٹ؟"

"وہی۔ جو پیکٹ کی صورت میں موصول ہوا ہے۔"

"آپ اس وی سی آر کی بات کر رہے ہیں؟" بیگم جمشید نے شروع

آواز میں پوچھا۔

"تو اور کیا میں ہوائی جہاز کی بات کر رہا ہوں!" وہ چلا اُٹھے۔

"وہ میں نے کسی کو دے دیا۔ میں جانتی تھی۔ آپ گھر میں اس کی موجودگی برداشت نہیں کریں گے۔"

"تم۔ تم نے وہ کسی کو دے دیا؟" وہ بوکھلا اُٹھے۔

"ہاں! اور کیا کرتی۔ ایک شخص آیا تھا۔ برائے فروخت کسی وی سی آر کی تلاش میں تھا۔ میں نے کہا۔ لو۔ مفت ہی لے جاؤ۔"

"اوہ۔ آؤ خان رحمان۔ اب ہمیں تمھارے گھر جانا ہو گا، ایک سیٹ وہاں بھی تو موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے، لیکن بھئی۔ یہ تم اچانک ان سیٹوں کے پیچھے کیوں پڑ گئے؟"

"پتا نہیں۔ پہلے سیٹ کا جائزہ تو لے لوں۔" وہ بولے۔

وہ افراتفری کے عالم میں وہاں سے روانہ ہوئے۔ بیگم خان رحمان نے انھیں حیران ہو کر دیکھا:

"خیر تو ہے۔ آپ لوگ مجھے کیوں گھور رہے ہیں؟"

"وی سی آر سیٹ!" خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں۔ کہیے۔ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟" وہ بولیں۔

"وہ سیٹ کہاں ہے؟"

"وہ میں نے فروخت کر دیا۔ ظاہر ہے۔ ہمارے کسی کام کا نہیں تھا۔"

"لیکن کس کو فروخت کر دیا؟"

"ایک آواز لگانے والا گزرا تھا۔ پرانے وی سی آر فروخت کر لو۔ میں نے اسے بلا لیا اور کہا کہ پرانا کیا۔ ہم تو نیا فروخت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ وہ بھی کوڑیوں کے مول۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"آج تک ایسے لوگ ہم نے تو دیکھے نہیں جو اس طرح وی سی آر خریدتے پھرتے ہوں۔ ضرور وہ مجرم کا کوئی ساتھی تھا اور اس کے اشارے پر آیا تھا۔"

"بالکل اسی طرح۔ جس طرح الہ دین کے چراغ میں جادوگر نئے چراغ لے لو۔ پرانے چراغ دے دو کہہ کر جادوئی چراغ لے گیا تھا۔" فاروق مسکرایا۔

"دھت تیرے کی۔ تم بھی کس زمانے کی کہانیاں پڑھا کرتے ہو۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"میں نے نہیں پڑھیں۔ یہ تو سنی سنائی باتیں ہیں۔"

"ہوں! اب کیا کیا جائے۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"انصار ابراہیم کے پاس وی سی آر سیٹ ابھی تک موجود ہے۔" فرزانہ فوراً بولی۔

"اوہ ہاں! آؤ۔"

وہ ایک بار پھر انصار ابراہیم کے پاس پہنچ گئے:

"اب کیا ہے جناب؟" اس نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"ہم ذرا آپ کا وہ سیٹ دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"بس! آپ اپنا سیٹ دکھا دیں۔"

"اچھی بات ہے۔ ابھی لاتا ہوں۔"

اس نے کہا اور اٹھ کر چلا گیا۔ جلد ہی وہ بالکل ویسا ہی سیٹ اٹھائے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔

"پروفیسر صاحب۔ ذرا اس کا بغور جائزہ لیجیے۔ کیا یہ صرف ایک وی سی آر سیٹ ہی ہے یا کچھ اور بھی ہے؟" انسپکٹر جمشید ٹھہری ہوئی آواز میں بولے۔

"اوہ اچھا۔" ان کے منہ سے نکلا۔ اور پھر وہ وی سی آر کا جائزہ لینے لگے۔ پانچ منٹ کے معائنے کے بعد انھوں نے کہا:

"اس میں اور کوئی چیز شامل نہیں۔ بس وی سی آر ہی ہے۔"

"ہوں!" ان کے منہ سے نکلا، پھر وہ انصار ابراہیم کی طرف مڑے:

"ہمارے جانے کے بعد اس کا فون تو نہیں آیا تھا؟"

"کک۔ کس کا۔" اس نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"وی سی آر بھیجنے والے کا۔"

"کیا مطلب۔ بھلا مجھے اس کا فون کیوں آتا۔"

"تو کیا جب سے وی سی آر آپ کو ملا ہے۔ اس نے ایک بار بھی آپ سے فون پر بات نہیں کی؟"

"نن۔ نہیں تو۔"

"آپ نماز پڑھتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! بالکل پڑھتا ہوں۔"

"اور جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ یہ کیا بات ہوئی۔ نمازی آدمی تو جھوٹ نہیں بولتا۔"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں؟"

"ہمارے جانے کے بعد ضرور آپ کو اس کا فون ملا تھا۔ اور آپ نے اس سیٹ میں سے کوئی چیز الگ کی ہے۔"

"اُف۔ آپ کو یہ تک معلوم ہے۔" اس نے کانپ کر کہا۔ اور انسپکٹر جمشید کے سارے ساتھی حیران رہ گئے۔

"ہاں! کیوں نہیں۔ مہربانی فرما کر اب تو سب کچھ

صاف صاف بتا دیں۔"

"ہاں۔ لیکن میرا کیا بنے گا؟"

"آپ کا قصور صرف اتنا ہے کہ اس سیٹ کو گھر سے باہر نہیں پھینک سکے۔ لہٰذا فکر نہ کریں۔"

"اچھی بات ہے۔ وی سی آر سیٹ ملنے کے پندرہ دن بعد ہی اس میں کوئی خرابی ہو گئی۔ اور اسی شام ایک شخص نے ہمارے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ میں تو اس وقت گھر میں تھا ہی نہیں۔ اس نے بچوں سے کہا کہ وہ وی سی آر مرمت کرنے کا بہترین کاریگر ہے اور گلیوں محلوں میں گھوم پھر کر کام تلاش کرتا ہے، کیوں کہ اس کے پاس کوئی دکان نہیں ہے۔ آپ کے وی سی آر میں کوئی خرابی تو نہیں ہے۔ انھوں نے فوراً کہہ دیا کہ ہاں۔ خراب ہے۔ لہٰذا اسے وی سی آر دکھایا گیا اور وہ آدھ گھنٹے میں ہی اسے درست کر کے چلا گیا۔ پیسے بھی بہت واجبی سے لیے۔ بچے تو خوش ہو گئے، لیکن میری پریشانیوں کا دور شروع ہو گیا۔ چند دن بعد مجھے ڈاک کے ذریعے ایک لفافہ ملا۔ اس میں میری کچھ تصاویر تھیں۔ دشمن ملک کے وزیرِ دفاع کے سیکرٹری کے ساتھ۔ وزیرِ دفاع کے سیکرٹری کو میں اچھی طرح پہچانتا ہوں اور ہماری

ملک میں اسے دشمن نمبر ایک خیال کیا جاتا ہے۔ اپنی تصویریں اس کے ساتھ دیکھ کر میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ تصاویر کے ساتھ کوئی خط نہیں تھا۔ پھر اگلے روز فون ملا۔ کسی نے بھاری سی آواز میں کہا:

'میرے پاس اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ تم دشمن ملک کے وزیرِ دفاع کے سیکرٹری کو ملک کی قیمتی معلومات دیتے رہے ہو۔ ثبوت کا نمونہ تم دیکھ ہی چکے ہو۔ لہٰذا تمہیں پھانسی سے کم سزا تو مل نہیں سکے گی۔ کیا خیال ہے۔ میرے اشاروں پر چلنا پسند کرو گے یا پھانسی پانا؟'

اس کے الفاظ نے مجھے تھرا دیا۔ اور میں نے کہہ دیا کہ میں اس کے اشاروں پر چلوں گا۔ اب وہ وقتاً فوقتاً فون کے ذریعے مختلف قسم کی معلومات مجھ سے حاصل کرتا رہتا ہے۔"

"اُف اللہ۔ تو یہ ہے وی سی آر سیٹوں کے بھیجے کا راز۔" فرزانہ نے کانپ کر کہا۔

"اور آپ نے اس وی سی آر سیٹ سے کوئی آلہ الگ کیا ہے؟"

"ہاں! آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ آپ لوگوں کے جانے

کے بعد اس کا فون ملا تھا۔ اس کی ہدایت پا کر میں نے اس کے اندر سے وہ آلہ نکال دیا تھا۔ اس آلے کے بارے میں بھی مجھے اسی وقت معلوم ہوا۔ پہلے تو میں صرف حیران ہوا کرتا تھا کہ اس نے وہ تصاویر کس طرح تیار کر لیں۔"

"اس آلے کے ذریعے پہلے صرف آپ کی تصاویر آپ کے گھر کے اندر لی گئیں۔ اور پھر ان تصاویر میں اس دشمن کو سیٹ کیا گیا۔ یہ فوٹو گرافی کا کمال ہے۔ آپ کو چاہیے تھا فوراً سارے حالات پولیس کو بتا دیتے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"میں ڈر گیا تھا۔ کہ کہیں اس نے کچھ اور چیزیں میرے خلاف نہ تیار کر رکھی ہوں۔"

"ہوں۔ خیر۔ وہ آلہ کہاں ہے جو آپ نے وی سی آر سے الگ کیا ہے؟"

"اس نے کہا تھا۔ الگ کرنے کے بعد اسے آگ میں ڈال دینا۔"

"اور آپ نے آگ میں ڈال دیا؟"

"نہیں۔ نہ جانے۔ کس خیال کے تحت میں نے اسے آگ میں نہیں ڈالا۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا۔ وہ آپ کی بچت کا ذریعہ
بن جائے گا۔"

"اوہ، بہت بہت شکریہ۔"

"وہ آلہ ہمارے حوالے کر دیں۔"

وہ اندر گیا اور ایک ننھا سا آلہ اٹھا لایا۔ پروفیسر
داؤد نے اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ اور پھر حیران ہو کر
بولے:

"اُف۔ یہ بہت طاقت ور قسم کا کیمرہ ہے۔ اور
آٹو میٹک بھی۔"

"تو پھر وہ مرمت کرنے والا اس کیمرے سے فلم نکالنے
کے لیے آیا ہو گا۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں! بالکل یہی بات ہے۔ بہر حال ڈی سی آر کا چکر
سمجھ میں آ گیا۔ اب صرف مجرم پر ہاتھ ڈالنا ہے۔"

"دُوسرے یہ انصار ابراہیم صاحب۔ ڈی سی آر ہمارے ملک
کے لیے بہر حال ایک لعنت ہے۔ بلکہ تمام اسلامی ممالک کے
لیے خوف ناک ترین لعنت ہے۔ آپ جیسے لوگوں نے بھی اگر
ہتھیار ڈال دیے تو پھر یہ ہر گھر میں نظر آنے لگا۔"

"م۔ میں اب بچوں کی ایک نہیں چلنے دوں گا۔ ابھی اور
اسی وقت اسے توڑ ڈالوں گا۔" یہ کہہ کر وہ اُٹھے اور سیٹ کو

اُٹھا کر فرش پر پوری طاقت سے پٹخ دیا۔ وہ کئی حصوں میں
تقسیم ہو گیا۔ ان کے بچے دوڑ کر ڈرائنگ روم میں آئے
اور دھک سے رہ گئے۔ ان کی نظریں ان ٹکڑوں پر جم گئیں۔

"بچو۔ یہ آپ لوگوں کے حق میں بہت ہی بہتر ہوا ہے۔"
انسپکٹر جمشید کی آواز اُبھری۔ ان کی نظریں ان کی طرف اُٹھ گئیں۔
اور پھر آہستہ آہستہ جھکتی چلی گئیں۔

وہ ان سے رخصت ہو کر باہر نکلے اور کار میں بیٹھ گئے۔

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"اب صرف مجرم کو گرفتار کرنا ہے۔ پے در پے پیش آنے
والے واقعات سے ثابت ہو گیا ہے کہ وہ بہت باخبر ہے۔
اور ہم پر برابر نظر رکھے ہوئے ہے۔ خیر اب ہم اسے
زیادہ مہلت نہیں دیں گے۔"

"کیا مطلب۔ کیا آپ جانتے ہیں۔ مجرم کون ہے؟"

"ہاں! میں نے اسے اس مٹی کے برتن نما ٹکڑے سے پہچانا۔"

"جی۔ یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" محمود بول اُٹھا۔

"ہاں بھئی۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ خنجر پر ہمیں یقیناً
انگلیوں کے نشانات نہیں ملیں گے۔ وہ اتنا اناڑی مجرم
نہیں ہے۔ وہ ہوتے بھی اس نے غائب کر دیے ہوں گے۔
شاید ہم ان کو بھی تلاش نہ کر سکیں، لیکن برتن نے اس ٹکڑے

کا اس کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ اس نے اس معمولی سی چیز کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ اور یہی اس کی سب سے بڑی غلطی ہے۔"

"اوہ! ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

بودا ثبوت

ان کی کار ایک بار پھر رواں دواں تھی۔ جلد ہی انھیں معلوم ہو گیا۔ کار کا رُخ کس طرف ہے۔ آخر کار رک گئی۔

وہ نیچے اتر کر مجرم کے گھر کی طرف بڑھے۔ دستک کے جواب میں خود مجرم نے دروازہ کھولا اور حیران ہو کر بولا:

"آپ لوگ پھر آ گئے۔"

"ہاں! ہمیں افسوس ہے۔ آنا ہی پڑا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"آئیے۔" اس نے راستا دیتے ہوئے کہا۔

وہ اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آئے۔ ڈرائنگ روم میں ایک اور شخص موجود تھا۔ وہ انھیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہو۔ آپ بھی موجود ہیں۔ چلیے یہ اچھا ہی ہوا۔"

"جی۔ کیا اچھا ہوا؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہمیں شاید آپ کو یہاں بلانا ہی پڑتا۔ آپ خود موجود

ہیں، اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے۔"

"آپ کا انداز پُر اسرار سا ہے۔ خیر تو ہے؟" مجرم بولا۔

"بات یہ ہے راشد جوجو صاحب۔ آپ اور آپ کے یہ دوست ہارون شاہ بہت چالاک ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بہت چالاک ہیں۔ تو کیا ہوا۔ چالاک ہونا جرم ہے کیا۔" راشد جوجو نے بھنا کر کہا۔

"جی نہیں۔ جب تک چالاکی جُرم کے ساتھ شامل نہ ہو۔ جُرم نہیں ہے۔"

"تب پھر۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"میں تو کچھ بھی نہیں کہوں گا۔ ہاں۔ برنی کا ایک ٹکڑا بہت کچھ کہہ جائے گا۔"

"کیا کہا۔ برنی کا ایک ٹکڑا بہت کچھ کہہ جائے گا۔ یہ کیا بات ہوئی۔" راشد جوجو نے تیز آواز میں کہا۔

"بھئی فاروق۔ یہ اس طرح نہیں سمجھیں گے۔ کچھ تم ہی سمجھاؤ۔" انسپکٹر جمشید بے چارگی کے عالم میں بولے۔

"ج۔ جی۔ م۔ میں سمجھاؤں۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

اوہ ہاں یاد آیا۔ تم تو سمجھانے کے معاملے میں بہت زیادہ کمزور واقع ہوئے ہو۔ خیر کوئی بات نہیں۔ فرزانہ تم سمجھاؤ۔" وہ بولے۔

"جی۔ میں اور سمجھاؤں۔"

"ہاں بھئی۔ کیا ہو گیا ہے۔ کیا تم بھی نہیں؟"

"جی نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"محمود۔ تم۔ تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"م۔ میں بہت اچھا بچہ ہوں۔ روزانہ سکول جاتا ہوں۔"

"دماغ تو نہیں چل گیا۔" خان رحمان بوکھلا اُٹھے۔

"جی نہیں! ابھی نہیں چلا۔"

"رہنے دو خان رحمان۔ یہ تینوں نالائق ہیں۔ میں خود ہی انہیں سمجھاتا ہوں۔ ہاں تو جناب راشد جوجو صاحب میں آپ سے چند کتابیں لے گیا تھا۔ ان کو پڑھنے کا تو خیر ابھی وقت کہاں مل سکتا تھا۔ دورانِ سفر میں نے ان کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ۔"

"یہ کیا جمشید۔ تم تو برنی کے ٹکڑے کی بات کر رہے تھے۔" پروفیسر داؤد حیرت زدہ لہجے میں بولے۔

"ہاں! اس طرف بھی آتا ہوں۔ فکر نہ کریں۔ ان کی کتابیں بظاہر اسلام کا راگ الاپ رہی ہیں، لیکن حقیقت میں وہ اسلام کے اُلٹ ہیں۔ اسلام کی نفی کرتی نظر آتی ہیں۔ زیادہ درست اندازہ تو میں ان کو پڑھ کر ہی لگا سکوں گا، لیکن ان کا پروگرام دراصل یہ ہے کہ اسلام سے

لوگوں کو نفرت دلا دی جائے۔ لہٰذا ڈھکے چھپے انداز میں کتابیں لکھتے ہیں۔ اور وی سی آر یا تو ایسے گھروں میں بھجواتے ہیں جہاں وی سی آر کا داخلہ بند ہے۔ یا پھر ایسے گھروں میں بھجواتے ہیں۔ جہاں سے کچھ معلومات حاصل ہو سکتی ہوں۔ جن گھروں میں وی سی آر کا داخلہ بند ہے۔ ان گھروں میں جب ایک مفت کی چیز پہنچتی ہے تو مفت کی شراب قاضی کو حلال کے اصول پر اسے چلا ہی لیا جاتا ہے۔ اور پھر لوگ اس میں ڈوب کر رہ جاتے ہیں۔ انکار کرنے والے بھی پھر انہیں ہوش میں نہیں لا پاتے۔ یہ وہ زہر ہے۔ جو ہر گھر میں پھیل رہا ہے۔ پھیلتا جا رہا ہے۔ یہ ساری گھناؤنی سازش راشد جوجو صاحب ہمارے دشمن ملک کے اشارے پر کر رہے ہیں، لہٰذا ثابت ہوا۔ یہ دشمن ملک کے ایجنٹ ہیں۔"

"یہ۔ یہ۔ بالکل غلط ہے۔ الزام ہے۔ آپ کے پاس ان باتوں کا ثبوت کیا ہے۔" وہ چلا اٹھا۔

"میں جانتا تھا۔ آپ ثبوت کا نعرہ ضرور بلند کریں گے، کیوں کہ آپ خود کو بہت چالاک خیال کرتے ہیں۔ آپ کا خیال ہے۔ آپ سے چالاک آدمی دنیا میں پیدا نہیں ہوا، آپ سمجھتے ہیں۔ آپ نے اپنے خلاف کوئی ثبوت نہیں چھوڑا، لیکن قدرت نے تو آپ کے خلاف ثبوت چھوڑا ہے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

"برفی کا ٹکڑا۔"

"برفی کا ٹکڑا۔ مم۔ میں۔ میں تو برفی بالکل نہیں کھاتا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"نہیں کھاتے ہوں گے۔ میں جس برفی کی بات کر رہا ہوں وہ مٹی کی بنی ہوئی تھی اور آپ کے جوتے کے تلے میں لگی ہوئی تھی۔ بس وہ کمرۂ واردات میں جوتے کے نشان پر گر گئی۔"

"تو پھر۔ اس سے کیا۔ یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ وہاں میں گیا تھا۔ میرے جوتے سے مٹی کا ٹکڑا گرا تھا۔ کیا خبر وہاں کون گیا۔ کس کے جوتے سے ٹکڑا گرا۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"ہاں! آپ نے یہ بات تو ٹھیک کہی۔"

"تب پھر۔ یہ کیا ثبوت ہوا۔ بالکل بودا ثبوت۔"

"ہاں! آپ کا یہ خیال بھی ٹھیک ہے کہ یہ ایک بودا ثبوت ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تب پھر۔ آپ اسے میرے خلاف عدالت میں کس طرح پیش کریں گے۔ جب اپنے منہ سے بودا کہہ رہے ہیں۔" راشد جوجو نے جلدی سے کہا۔

"بات دراصل یہ ہے راشد جوجو صاحب - اس ثبوت کے ذریعے ہم صرف آپ تک پہنچے ہیں، کیوں کہ مٹی کا وہ ٹکڑا نیلگوں تھا اور نیلگوں مٹی آپ کے گھر کے اردگرد موجود ہے - مکمل ثبوت تو ہم یہاں سے حاصل کریں گے۔"

"کیا!!" وہ اچھل پڑا - اور ساتھ ہی انسپکٹر جمشید پر چھلانگ لگا دی - ساتھ ہی ہارون شاہ بھی اچھلا تھا، لیکن خان رحمان نے اسے دونوں ہاتھوں پر روک لیا - ادھر انسپکٹر جمشید کا بھرپور مکا راشد جوجو کی پیشانی پر لگا اور وہ دوسری طرف الٹ گیا - وہاں محمود، فاروق اور فرزانہ موجود تھے - انھوں نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا - جلد ہی دونوں ساکت ہو گئے -

اب انسپکٹر جمشید نے اکرام کو فون کیا - اور جب عملہ آ گیا تو سب کی موجودگی میں تلاشی شروع ہوئی - آخر تمام مواد حاصل کر لیا گیا - جس قسم کے آلے پر وہ اپنے ماتحتوں سے بات کرتا تھا - اس جیسا سیٹ بھی اندر موجود تھا -

"قصہ ختم ہوا۔" محمود بڑبڑایا -

"اور ایک ہی نشست میں ختم ہوا۔" فرزانہ مسکرائی -

"میں بھی حیران تھا کہ یہ کون حاتم کا بچہ پیدا ہو گیا ہے - جو دھڑا دھڑ وی سی آر لوگوں کو بیچ رہا ہے - اتنی دولت کہاں سے آ گئی اس کے پاس - لیکن - اس کا تو اصول یہ

تھا - ہمارا جوتا - ہمارا ہی سر۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا -

"حاتم کا بچہ۔" خان رحمان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا -

"آپ نہیں سمجھے انکل۔" فاروق مسکرایا -

"ن - نہیں تو۔" وہ ہکلائے -

"خالی حاتم نہیں - حاتم طائی کا بچہ۔" فاروق بولا - اور سب مسکرانے لگے ----

حاتم کا بچہ

کا انعامی سوال

لکھا: ص ۹۶ پر انسپکٹر جمشید اس سے آگے کیا کہنا چاہتے تھے۔
ہوں! اس کا مطلب ہے----

●

- پانچ درست جوابات پر ۲۵/- روپے کی کتابیں فی کس ۵/- روپے کے حساب سے ارسال کی جائیں گی۔
- جوابات کاپی سائز کاغذ پر لکھیں۔
- ہر سوال کا جواب الگ کاغذ پر لکھیں۔
- ہر کاغذ پر آپ کا نام پتا ہونا ضروری ہے۔
- ایک ہی لفافے میں تمام جوابات ارسال کر سکتے ہیں۔

(ادارہ)

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز نمبر ۱۵۰

کس کا ہاتھ

مصنف: اشتیاق احمد

- اخبار میں ایک انتہائی عجیب اشتہار شائع ہوا تھا۔
- محمود، فاروق اور فرزانہ اس اشتہار کی طرف متوجہ ہو گئے۔
- یہاں تک کہ انسپکٹر جمشید بھی ان کا ساتھ دینے پر تیار ہو گئے۔
- انسپکٹر جمشید کو ایک دعوت نامہ ملا۔ وہ جعلی تھا۔
- اس جعلی دعوت نامے نے کیا گل کھلائے۔
- آپ جرم کی وجہ آخری چند صفحات سے پہلے ہرگز ہرگز نہیں جان سکیں گے۔
- اور نہ مجرم کو پہچان پائیں گے۔

قیمت: چھ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز نمبر ۱۵۱

قانونی کھیل

مصنف: اشتیاق احمد

- ○ ایک بستی میں ایک خونی کھیل کھیلا جا رہا تھا۔
- ○ لیکن کھیل کھیلنے والوں کا دعویٰ یہ تھا کہ قانون ان کو گرفت میں نہیں لے سکتا۔
- ○ اور پھر حالات اور واقعات کے دھارے نے واقعی یہ بات ثابت کر دی۔
- ○ لیکن انسپکٹر جمشید اڑ گئے۔
- ○ انھوں نے عزم کر لیا۔ مجرم آزاد نہیں رہ سکتے۔
- ○ ذرا دیکھیے تو سہی۔ اس بار وہ کتنے بڑے مجرم پر ہاتھ ڈالتے ہیں۔
- ○ ہنگاموں سے پُر ناول۔

قیمت: چھ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز نمبر ۵۶

موت کا جام

مصنف: اشتیاق احمد

- ○ میں کل مر جاؤں گا۔ یہ الفاظ ایک دوست نے دوسرے دوست سے کہے۔
- ○ اور وہ واقعی مر گیا۔
- ○ اسے اپنی موت کے بارے میں کس طرح معلوم ہوا تھا۔
- ○ ایک کوٹھی جسے بہت شوق سے بنوایا گیا تھا، لیکن۔
- ○ لیکن بنانے کے بعد اسے بند رکھا گیا، آخر کیوں؟
- ○ لاش کی جیب سے تین عجیب چیزیں برآمد ہوئی تھیں۔

ہر قدم پر سسپنس۔

قیمت: چھ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

شوکی سیریز ۲۹

قاتل روبوٹ

— مصنف: اشتیاق احمد —

- ○ شوکی برادرز انسپکٹر کاشان کے دفتر میں پہنچے اور دھک سے رہ گئے۔
- ○ ایک فون نے انہیں ایک جگہ جمع کر دیا۔
- ○ ایک گھر میں ایک روبوٹ موجود تھا۔ اور اس کے سامنے دو لاشیں۔
- ○ روبوٹ قاتل تھا، لیکن وہ اسے گرفتار نہیں کر سکتے تھے۔
- ○ انھوں نے روبوٹ کے تعاقب کی کوشش کی، لیکن منہ کی کھائی۔
- ○ شوکی برادرز نے روبوٹ کا مقابلہ کس طرح کیا۔

حیرت کا سمندر لیے ایک ناول۔

قیمت: چھ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

انسپکٹر ارسلان سیریز ۱۰

دُنیا کے دُشمن

— مصنف: آفتاب احمد —

- ○ پروفیسر لقمان کے ہاں ایک خط آتا ہے، لیکن خط ان تک نہیں پہنچ پاتا۔
- ○ خط حاصل کرنے کے لیے ایک ہنگامہ شروع ہوتا ہے۔
- ○ اچانک خط کاشف کے ہاتھ لگ جاتا ہے۔
- ○ ایک خطرناک تنظیم اس خط کی بنا پر ارسلان پارٹی کو اغوا کر لیتی ہے۔
- ○ کیا وہ لوگ خط حاصل کر سکے۔
- ○ خط لکھنے والا کون تھا۔
- ○ خط کی تحریر کیا تھی۔
- ○ کرائے کے ایک خطرناک جاسوس سے ان کی ٹکر۔
- ○ ارسلان پارٹی کے قتل کا منصوبہ۔

قیمت: چھ روپے

وہ شاہکار سیریز جس کا آپ نے مدتوں انتظار کیا۔

۱ — یشوما اور سرخ تیر
۲ — سرخ تیر کا شکار
۳ — سرخ تیر کے قیدی
۴ — سرخ تیر کی وادی میں

- یہ چاروں ناول ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں۔ دس سال پہلے فیروز سنز نے ان کو شائع کیا تھا —
- اب یہ آپ کے اپنے ادارے سے شائع ہو رہے ہیں۔ دس سال تک ان کا بے چینی سے انتظار کیا گیا، مجھ سے بار بار پوچھا گیا۔
- انسپکٹر کامران مرزا، آفتاب، آصف، فرحت اور منور علی خاں کا کبھی نہ بھولنے والا سلسلہ —
- لیجیے۔ اب آپ آیندہ ماہ پڑھ سکیں گے —

قیمت فی حصہ: چھے روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست کتب

مطبوعات مجلس تحفظ ختم نبوت — پاکستان

ردّ قادیانیت پر معلومات افزا، ایمان پرور، جہاد آفرین اور حقائق افروز کتب!

نمبر	کتاب	زبان	مصنف	قیمت
۱	قادیانی مذہب	اردو	پروفیسر الیاس برنی	۶۰ روپے
۲	رئیس قادیان	//	مولانا رفیق دلاوری	۲۵ //
۳	خاتم النبیین	//	السید انور شاہ کشمیری	۱۶ //
۴	تحریک ختم نبوت	//	شورش کاشمیری	۱۵ //
۵	اسلام اور قادیانیت	//	مولانا عبد الغنی	۱۸ //
۶	قادیانی کیوں مسلمان نہیں	//	مولانا منظور نعمانی	۵ //
۷	موقف ملت اسلامیہ	عربی	قومی اسمبلی میں مجلس کی یادداشت	// //
۸	//	انگریزی	//	// //
۹	قادیانی مومنٹ	//	ڈاکٹر بھریا	۲ //

نمبر	کتاب	زبان	مصنف	قیمت
۱۰	ہدیۃ المہدیین	عربی	مولانا مفتی محمد شفیع	۴ روپے
۱۱	التصریح	"	السید انور شاہ کشمیری	۲۰ "
۱۲	نزولِ مسیح	اُردو	مولانا محمد یوسف لدھیانوی	مفت
۱۳	المہدی والمسیح	"	"	"
۱۴	توہین کلمہ	"	"	"
۱۵	الہامی گرگٹ	"	"	"
۱۶	قادیانی جنازہ	"	"	"
۱۷	مرزائی نامہ	"	مولانا مرتضیٰ خان میکش	۵ روپے
۱۸	قادیانی عقائد	"	مولانا تاج محمود	مفت
۱۹	حضرت مسیح علیہ السلام مرزا قادیانی کی نظر میں		مولانا لال حسین اختر	"
۲۰	ختمِ نبوت اور بزرگانِ اُمت	"	"	"

مجلس ایک تبلیغی ادارہ ہے۔ اس لیے کتابوں پر صرف لاگت وصول کی جاتی ہے، اس لیے کمیشن نہیں ملے گا۔ ڈاک خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔ وہ کتب جو مفت دی جاتی ہیں، وہ منگوانے کے لیے ایک روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔

منگوانے کا پتا

دفتر **مجلس تحفظ ختمِ نبوت**
حضوری باغ روڈ
ملتان شہر
فون ۱۲۳۸۰

اندھا ظلم
کا انعام

سوال یہ تھا: صفحہ ۱۰۷ پر وہ کیا سمجھ چکے تھے؟
جواب: یہ کہ سگریٹ کی بُو وہ ریحانہ کوثر کے کمرے میں بھی محسوس کر چکے تھے۔

نقد ۵۰/- روپے کی کتابیں انعام پانے والے:

1. عتیق احمد عاطف، العزیز ظفر کالونی، رشید آباد، ملتان۔
2. ناہید شاہین گوجر، بیلہ ٹاؤن، ضلع لسبیلہ۔
3. علی، کوارٹر نمبر ۱۹۳، بلاک نمبر ۲، سیکٹر D ۱ اے، ٹاؤن شپ لاہور ۳۰۔
4. مدثر احمد اعوان، مکان نمبر ۱۲/۱۱، دارالصدر، غربی ربوہ ضلع جھنگ۔
5. محمد اسماعیل خان درانی معرفت عثمان کریانہ مرچنٹ اینڈ جنرل سٹور، نزد گل شارع، مسجد فاروقی کالونی برائے سکاؤٹ، والٹن روڈ، لاہور کینٹ

خطوط کے آئینے میں

نوٹ :— تین خط انعامی قرار پائے۔ پہلے انعامی خط پر ایک سو روپے کی کتب اور دوسرے اور تیسرے انعامی خط پر پچہتر پچہتر روپے کی کتب دی جائیں گی — (ادارہ)

انکل اشتیاق احمد

السلام علیکم! آپ کو آپ کے بارے میں دو چار باتیں بھیج رہا ہوں جو آپ کو اسی خط کے ساتھ نظر آئیں گی۔ یہ بیس صفحات پر مشتمل ہیں لیکن پڑھنے کے بعد آپ یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ میں نے ایک ایک بات کو کئی کئی مرتبہ دہرایا ہے یا یہ کچھ زیادہ ہی طویل لکھ دی ہے یقین مانیے ان باتوں میں آپ کے بارے میں پینتالیس سے زائد ناولز کی معلومات دی جا رہی ہیں۔ جو کہ آپ نے مختلف سوالوں کے جواب میں بتائیں — خیر یہ کاوش کیسی رہی — شائع ہونے کے قابل ہے یا نہیں — یہ تو آپ پڑھ کر ہی فیصلہ دیں گے۔ لیکن امید ہے، اسے آپ ایک مرتبہ مکمل پڑھیں گے ضرور۔ شکریہ!

دو چار باتیں، اشتیاق احمد کے بارے میں:

ساٹھ ہزار سے زائد صفحات کے مصنف اشتیاق احمد جن کے ناولز کو پڑھتے ہوئے ہم خواب گوں فضا میں نہیں کھو جاتے، بلکہ ان حقیقتوں کو شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ جو تعمیرِ وطن کے لیے ہم میں عزم، ولولہ، حوصلہ، جوشِ عمل، وطن سے پیار اور اسلام سے محبت پیدا کرتی ہیں۔

عہدِ خزاں گزر گیا فصلِ بہار آ گئی
دوشِ صبا پہ فصلِ گل ہو کے سوار آ گئی

آج سے ۴۴ سال قبل یعنی ۱۹۴۴ء میں پانی پت کے مقام پر ایک بچہ پیدا ہوا۔ والدین نے بچے کا نام اشتیاق احمد رکھا۔ اس بچے کے والد کا نام مشتاق احمد تھا (ہے) جو کہ تجارت پیشہ تھے۔ اس بچے کے آباؤ و اجداد کا پیشہ مزدوری تھا۔ دوسرے بچوں کی طرح اس بچے کو بھی ابتدائی عمر میں سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ یہ سکول جھنگ صدر میں تھا اور اس کا پورا نام "اسلامیہ ہائی سکول" تھا۔ سکول میں ایک استاد جن کا نام "ماسٹر خالد" تھا نے آپ پر بہت توجہ دی۔ یہاں پر وہ بچہ تعلیم کی منزلیں طے کرتا رہا۔ اور ۶۲ - ۱۹۶۱ میں اس نے اسی سکول سے میٹرک کا امتحان سائنس گروپ میں فرسٹ ڈویژن میں پاس کر لیا۔

اس وقت والد کا کاروبار روز بروز گرنے لگا اور اس بچے کو نوکری کی تلاش میں لاہور آنا پڑا۔ لاہور میں جن رشتے داروں

کے پاس وہ رہتا تھا وہاں اس کی ایک رشتے کی باجی تھیں،
جن کا نام "رابعہ مرتضیٰ" تھا۔ انھوں نے سب سے پہلے اس بچّے
کو کہانیاں لکھنے کو کہا اور انھیں کے کہنے پر اس بچّے نے اپنی
زندگی کی پہلی کہانی "بڑا قد" اور دوسری کہانی "انعامی ٹوکن" لکھی۔
جو رسالہ قندیل میں چھپیں۔ اور یہاں سے یہ بچّہ "اشتیاق احمد"
کے نام سے کئی لوگوں میں پہچانا جانے لگا۔ آگے لکھنے سے پہلے یہ
کہنا ضروری ہے کہ اگر اشتیاق احمد کے تمام ناولز کا انتساب اکٹھا
لکھا ہو تو وہ یہ بھی لکھا جا سکتا ہے:

"باجی رابعہ کے نام جن کے کہنے پر میں نے کہانیاں لکھنا شروع کیں"۔

اس دوران آپ نے اپنی مرضی کے خلاف بہت سی ملازمتیں
بھی کیں۔ جن کے دوران میں ایک وقت ایسا آیا کہ آپ نے
کہانیاں لکھنا پھر بند کر دیں۔ اور پھر ۱۹۷۱ء میں ایک بڑے وقفے کے
بعد بچّوں کے لیے ایک ناول "پیکٹ کا راز" لکھا، جو مکتبہ عالیہ سے
شائع ہوا۔ چنانچہ یہ اشتیاق احمد کی زندگی کا پہلا باقاعدہ ناول تھا۔
زندگی کا دوسرا ناول "آستین کا سانپ" تھا۔ آپ نے اس کے
بعد بہت تیزی سے ناول لکھنے شروع کیے اور جلد ہی آپ کا
نام پورے ملک میں مشہور ہو گیا۔

اسی دوران اپریل ۱۹۶۷ء میں آپ کی شادی ہو گئی اور اب
آپ کے آٹھ بچے ہیں۔ ان میں سب سے بڑے (بھائیوں میں)

نوید احمد ہیں، جن کی عمر چودہ برس ہے اور وہ ناول لکھنے کے لیے
پر تول رہے ہیں۔

اشتیاق احمد کی والدہ کا انتقال ہو چکا ہے اور یہ پانچ بہن
بھائی ہیں: "پہلے خود، اشفاق احمد، نسیم، اخلاق احمد اور آفتاب احمد۔"

اب تھوڑا سا اشتیاق احمد کے ناولز کے بارے میں:

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

اب تک اشتیاق احمد کئی ایک ناول لکھ چکے ہیں۔ ایک ناول
(تیسری شیشی) میں آپ نے کہا کہ میں اب تک تقریباً تین سو ناول
لکھ چکا ہوں۔ ایک قاری نے جس کا نام عامر کریم ہے نے ایک
ناول (کالانسی کا مجسمہ) میں کہا کہ میرے پاس آپ کے چار سو ناول
ہیں۔ اب تک اشتیاق احمد کے لکھے ہوئے ناولز کے صفحات کی تعداد
ساٹھ ہزار سے زائد ہے۔

لوگ اشتیاق احمد کے ناولز کو کتنا پسند کرتے ہیں اور یہ ناول
پڑھنے کے بعد ان پر کتنا اثر پڑتا ہے، اس بات کے لیے
ایک خط کا اقتباس آپ کے سامنے پیش ہے۔ جو عامر کریم نے لکھا تھا
اور کالانسی کا مجسمہ میں شائع ہوا تھا، وہ لکھتے ہیں:

"میں انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں فرسٹ ایئر کا طالب علم ہوں۔ اور
آپ سے پانچ سال سے متعارف ہوں۔ اس دوران میں نے [illegible]

لوگوں کو آپ کی تحریر کا شائق پایا۔

سب سے دلچسپ بات یہ کہ اب میں نے تعلیمی اور دینی میدان میں جو کامیابیاں حاصل کیں، وہ میں گذشتہ آٹھ سالوں میں حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ ایف۔ایس سی کے اُردو کے پرچے میں ایک مضمون 'بچوں کا اغوا، ایک سنگین مسئلہ' کے عنوان سے آیا۔ میں نے 'گھناؤنا کیمپ' کا خلاصہ لکھ دیا۔ اور مزے کی بات یہ کہ اس پرچے میں میں نے ریکارڈ نمبر حاصل کیے۔

ڈاکٹر سلیم اختر نے اپنی کتاب "اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" میں پاکستان کے جن چھے ادیبوں کا نام لکھا ہے جو بچوں کے لیے باقاعدگی سے لکھتے ہیں۔ ان میں اشتیاق احمد کا نام بھی ہے۔

اشتیاق احمد اپنا ہر ناول چار پانچ روز میں ختم کر لیتے ہیں۔ اور اب ناول لکھتے ہوئے چودہ پندرہ سال ہو گئے ہیں۔ وادیٔ مرجان وہ ناول تھا جسے لکھتے ہوئے آپ کو سب سے زیادہ خوشی ہوئی۔ آپ کا ریکارڈ ناول "ایک رات کا ہنگامہ" ہے، جسے آپ نے دو دن میں مکمل کیا تھا۔ آپ اس وقت تین سیریز لکھ رہے ہیں، مگر یہ حیرت کی بات ہے کہ آپ کو تینوں سیریز پسند ہیں۔ اب تک جتنے ناول لکھے ہیں، ان سب میں پسندیدہ ناول 'وادیٔ مرجان' اور سب سے پسندیدہ خاص نمبر 'جزیرے کا سمندر' ہے۔

آپ ناول لکھنے سے پہلے مختلف چیزوں کے بارے میں معلومات

بھی اکٹھی کرتے ہیں۔ اور 'ہوا کے قیدی' وہ ناول تھا جسے لکھنے سے پہلے آپ نے باقاعدہ ریسرچ کی تھی۔ اشتیاق احمد اب تک کئی مصنفین سے متاثر ہو چکے ہیں۔ آپ کو ادب میں تحقیقی ادب پسند ہے۔ آپ کو اب تک آنے والے مجرموں میں لی کاف سب سے زیادہ پسند ہے، جو کہ 'جزیرے کا سمندر' میں مارا گیا تھا۔ اب تک بڑوں کے لیے پانچ چھے کتابیں لکھ چکے ہیں۔

اور اب دو حیرت انگیز باتیں۔ ایک تو یہ کہ اشتیاق احمد کے خاندان میں پہلے کبھی بھی کوئی مصنف نہیں گزرا تھا، اور دوسری یہ کہ اشتیاق احمد کے بچے بھی اپنے 'ابو' کے ناول ہماری ہی طرح شوق سے پڑھتے ہیں۔

اب ہم آتے ہیں تیسرے رُخ کی طرف جو اشتیاق احمد کی اسلام دوستی اور اسلام کی تبلیغ کے متعلق ہے۔

ہم حق کے علمبرداروں کا اب بھی ہے نرالا ٹھاٹھ وہی
بادل کی گرج تکبیروں میں، بجلی کی چمک تلواروں میں

'خونی جنگل' میں سرجیک کارڈ کے خط کے جواب میں جو الفاظ اشتیاق احمد نے کہے، انھیں نیچے لکھا جا رہا ہے:

'میں مسلمان پہلے ہوں اور مصنف بعد میں۔ مسلمان ہی رہتے ہوئے زندہ رہنا اور میں مسلمان مرنا چاہتا ہوں اور اپنے سچے دین کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا رہوں گا۔'

اس سے آگے جواب میں کہتے ہیں :

"اس قسم کی کتابیں لکھنے سے میرا مطلب یہی ہے کہ گم کردہ راہوں کو بتا جاؤں کہ سیدھا راستہ تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، اور بس۔"

ایک اور جگہ آپ سے ایک قاری نے آپ کی سب سے بڑی خواہش کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب میں کہا :

"میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف فرما دیں اور جہنم سے نجات دے دیں۔"

"سر پھرے" کے آخر میں اشتیاق احمد نے منزہ جبیں کو جو جواب دیا ہے، اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اشتیاق احمد اسلام کے کتنے شیدائی ہیں۔

اشتیاق احمد کو جوں ہی اللہ نے توفیق دی، حج کیا۔ ڈاڑھی رکھ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ناول میں حدیث شریف، تحریک ختم نبوت کی مہم، مسئلہ ختم نبوت کے سوال و جواب اور اس کے ساتھ اسلامی کتابیں اشتیاق احمد کی اسلام دوستی کی طرف اشارا کرتی ہیں۔ یوں تو ہر کتاب میں ہی اسلامی باتیں ہوتی ہیں، لیکن بلند محل، قیامت کب آئے گی، ہیرا دیوی، وادیٔ مرجان، جاپانی فتنہ اور مارکوش کی چال جیسی کتابیں اس سلسلے میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کتابوں کے بعد اشتیاق احمد کے قاریوں نے ایک نئی کروٹ لی۔ انھیں اسلام دشمنوں

کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں۔ چند ایک غصے بھرے خطوط بھی موصول ہوئے، گالیاں بھی پڑیں اور واہ واہ بھی ہوئی۔ کچھ اور کہنے کی بجائے یہ شعر عرض ہیں :

قادیانیوں کی جب گفتگو ہونے لگی
آپ سے تم، تم سے تو ہونے لگی

ابتر ہمارے حملوں سے ان کا یہ حال ہے
میدان پانی پت کی طرح پائمال ہے
بھنویں تنی ہیں، خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں
ان سے آج بگڑی ہے وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں

دوسری طرف چند قادیانیوں نے اس قسم کے جملے کہے :

ع کس لیے لطف کی باتیں ہیں پھر
کیا کوئی اور ستم یاد آیا

اشتیاق احمد نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ وہ قائد اعظمؒ، لیاقت علی خانؒ اور مرزا عبدالرب نشترؒ سے خاص طور پر متاثر ہیں۔ آپ کو امن کا رنگ یعنی سفید رنگ سب سے زیادہ پسند ہے۔

سکول میں کبھی بھی خاص طور پر کوئی کھیل نہیں کھیلا، لیکن ایک جگہ فٹ بال اور دوسری جگہ ہاکی کو پسندیدہ کھیل قرار دیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق آپ اب تک تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ابتدائی نمبر کی عینک بھی لگ چکی ہے۔ پسندیدہ

تاریخی ناول نگار "نسیم حجازی" ہیں۔ اشتیاق احمد نے پسندیدہ ادیب "اگاتھا کرسٹی" اور پسندیدہ شاعر "میر تقی میر" کو قرار دیا۔

اشتیاق احمد کے بارے میں چند دلچسپ باتیں:

ایک مرتبہ درخت سے چھلانگ لگانے کا تجربہ کیا اور پیر میں موچ آگئی۔ باہر لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو گھور گھور کر دیکھنا اور گھورنا شروع کر دیتے ہیں۔ چند ایک قارئین کا خیال ہے کہ آپ کی شکل "سونا چاندی" کے سونے سے بہت ملتی ہے۔ اشتیاق احمد ایک مرتبہ انگریزی فلم "اینگزاسٹ" دیکھ کر گھر واپس آرہے تھے کہ اس وقت زندگی میں سب سے زیادہ خوف محسوس ہوا۔ اشتیاق احمد کا کہنا ہے کہ انھوں نے اتنے اچھے دنوں کا کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔

۶۲-۱۹۶۱ء میں اشتیاق احمد نے ابنِ صفی کے ناول پڑھے، اور ابنِ صفی کے ہی ہو رہے اور انھیں اپنا استاد مان لیا۔ ابنِ صفی نے اردو ادب میں جاسوسی اور سراغ رسانی کی صنف کو طبع زاد ناولز سے بے مثال معیار پر پہنچا دیا۔ تفریحی ادب میں ایشیا کے یہ عظیم مصنف ایک مستند مقام رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے "اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" میں لکھا ہے:

"اگر ابنِ صفی یورپ میں ہوتے تو انھیں وہاں آئن فلیمنگ کے پایہ کا ناول نگار سمجھا جاتا اور ان کا کرنل فریدی جیمز بانڈ سے کم مقبول نہ ہوتا۔"

اشتیاق احمد ایشیا کے وہ واحد مصنف ہیں، جنھیں پیارے کمپیوٹر انکل، مسٹر کنگ، مسٹر جاسوس ،،، ، اچھے اور کھٹے انکل، گندے اشتیاق، محاورہ انکل، محترم انکل، ننھے منے انکل، پیارے چاند جیسے انکل، ہنستے مسکراتے انکل، بائیونک مین، جان سے پیارے انکل، چچا جان، اشتیاق بھیا، سویٹ انکل، گول مٹول سے انکل، ڈیئر انکل، سورج بھائی، چاند انکل وغیرہ وغیرہ کے لقب مل چکے ہیں۔

گرچہ اتنی سی باتیں اشتیاق احمد کے بارے میں سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، لیکن پھر بھی ان الفاظ کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتا ہوں:

؎ مجھے بھول جاویں گے سب بعد مرگ
رہے گا مگر یہ سخن یادگار

سید عرفان علی مکان نمبر ۸، میو ہسپتال، ابراہیم سٹریٹ، دھنی رام روڈ، نئی انارکلی، لاہور

اشتیاق احمد صاحب!

اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے ایک جرم کیا ہے۔ براہ کرم آپ انسپکٹر جمشید یا انسپکٹر کامران مرزا یا شوکی وغیرہ کی خدمات نہ حاصل کیجیے گا۔ لیکن میں پہلے بھی

جرم کر چکا ہوں اور ابھی تک پکڑا نہیں گیا اور امید ہے پکڑا بھی نہیں جاؤں گا۔ اب جرم کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے آپ بے چین ہوں گے دو ہے اس کے لیے یہ پارٹیاں ہی کافی ہوں گی یعنی بے چین ہونے کے لیے) تجسس کے مارے آپ کا دل بلیّوں اچھل رہا ہوگا۔ نیچے کا سانس اوپر اور اوپر کا سانس نیچے ہو رہا ہوگا ارے۔ کمال ہے آپ ابھی تک سمجھے نہیں، اگر نہیں سمجھے تو سمجھ جائیں کہ وہ جرم یہ ہے کہ میں نے "خطوط کے آئینے میں" خط لکھا ہے۔ پہلے بھی یہ جرم کیا ہے، مگر انعام ملنا تو ایک طرف کبھی خط شائع تک نہیں ہوا اور میرے خیال میں آپ کو خط لکھنا جرم ہی ہے۔

مشتاق احمد بلجی معرفت محمد علی میڈیکل سٹور، خداداد کالونی، کراچی ۵

محترم انکل، السلام علیکم!

زندگی کے دن آپ کے ناول پڑھ کر پورے کر رہا ہوں۔ میری عمر بھی نہ جانے کتنی ہے۔ مہربانی فرما کر میری بقیہ زندگی یا عمر ہی انعام دیں، تاکہ مرتے دم تک یہ خواہش یا سسپنس تو نہ ہو کہ آپ نے مجھے ساری زندگی انعام نہ دیا۔ اچھا اب اجازت دیں۔ جلد ہی لاہور میں ملاقات ہوگی۔ آپ کا محسن:

میاں محمد عمیر، ۲۳-۵۔ بی لالہ رخ کالونی، واہ کینٹ

غلط ناول

- آپ کو کوئی غلط صفحات ، اُلٹ پلٹ صفحات والا ناول تو نہیں مل گیا ___
- اگر ایسا ہے تو پریشان نہ ہوں۔ ناول فوراً اپنے بُک سٹال سے تبدیل کر لیں ___
- بُک سٹال کے مالک اپنے ایجنسی ہولڈر سے تبدیل کر سکتے ہیں اور ایجنسی ہولڈر ہم سے ___
- بُک سٹال کے مالک نے اگر براہِ راست ہم سے کُتب منگوائی ہیں تو وہ غلط کتابیں ہمیں رجسٹری کر دیں ___
- ہم وہ کتب بھی تبدیل کر دیں گے اور وہ ٹکٹ بھی اس پیکٹ میں رکھ دیں گے جو ان کو پیکٹ پر لگانا پڑے ___
- اگر آپ کے بُک سٹال والے کتاب واپس نہ لیں تو آپ خود ہمیں کتاب رجسٹری کر دیں ، درست کتاب آپ کے لگائے ہوئے ٹکٹوں سمیت آپ کو مل جائے گی۔ ان شاء اللہ :

(ادارہ)

کوئی شکایت
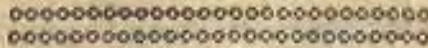
- آپ کو اشتیاق پبلی کیشنز کے عملے سے کوئی شکایت تو نہیں ___
- اگر ایسا ہے تو شکایت دفتر کے پتے کی بجائے میرے گھر کے پتے پر ارسال کریں ___
- آپ کی ہر جائز شکایت کا ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا ___
- ایک شکایتی خط ارسال فرما کر کم از کم پندرہ دن انتظار کریں ، کیوں کہ کارروائی میں اتنا وقت لگ جاتا ہے ___
- انعام کا نہ ملنا ، وظیفے کا نہ ملنا ، دفتر سے کتابیں خریدنے کی صورت میں کیش میمو کا نہ ملنا ، عملے کا بد سلوکی سے پیش آنا ، یا کتاب دیر سے ارسال کر دینا وغیرہ۔ اس قسم کی تمام شکایات کے لیے پتا نوٹ فرما لیں :

اشتیاق احمد
بازار لوہاراں ، جھنگ صدر